مجلس خدام الاحمدیہ لائلپور شہر نے جلسہ سالانہ پر آنے والے مہمانوں کی سہولت
اور خدمت کے لئے بس سٹینڈ لائلپور میں اپنا خیمہ نصب کیا

مکرم عبدالباری صاحب احمدی
ناظم دعوت و تبلیغ کوپن ہیگن (ڈنمارک)

مجلس خدام الاحمدیہ لائلپور شہر کے خدام جلسہ سالانہ پر آنیوالے
مہمانوں کو بسوں پر سوار کرا رہے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اِسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

"تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں"

(الہام المسیح الموعودؑ)

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

(المصلح الموعودؓ)

ماہنامہ خالد ربوہ

جلد ۱۷ || امان ۱۳۵۰ ہش ؍ مارچ ۱۹۷۱ء || شمارہ ۳

فہرست

(پبلشر: محمد شفیق قیصر ؛ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ ؛ مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ خالد دار الصدر جنوبی ربوہ)

دُعا خدا کی طرف سے آتی ہے اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے

(ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

"یہ مت خیال کرو کہ ہم بھی ہر روز دعا کرتے ہیں اور تمام نماز دُعا ہی ہے جو ہم پڑھتے ہیں کیونکہ وہ دعا جو معرفت کے بعد اور فضل کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے وہ اور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے وہ فنا کرنے والی چیز ہے۔ وہ گداز کرنے والی آگ ہے۔ وہ رحمت کو کھینچنے والی ایک مقناطیسی کشش ہے۔ وہ موت ہے پر آخر کو زندہ کرتی ہے۔ وہ ایک تند سیل ہے پر آخر کو کشتی بن جاتی ہے۔ ہر ایک بگڑی ہوئی بات اس سے بن جاتی ہے اور ہر ایک زہر اس سے آخر تریاق ہو جاتا ہے۔

مبارک وہ قیدی جو دعا کرتے ہیں تھکتے نہیں۔ کیونکہ ایک دن رہائی پائیں گے۔ مبارک وہ اندھے جو دُعاؤں میں سُست نہیں ہوتے۔ کیونکہ ایک دن دیکھنے لگیں گے۔ مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دُعاؤں کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں کیونکہ ایک دن قبروں سے باہر نکالے جائیں گے۔

مبارک تم جب کہ دعا کرنے میں کبھی ماندہ نہیں ہوتے اور تمہاری رُوح دعا کے لئے پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے اور تمہیں تنہائی کا ذوق اُٹھانے کے لئے اندھیری کوٹھڑیوں اور سنسان جنگلوں میں لے جاتی ہے اور تمہیں بیتاب اور دیوانہ اور از خود رفتہ بنا دیتی ہے کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جائیگا۔ وہ خدا جس کی طرف ہم بلاتے ہیں نہایت کریم و رحیم، حیا والا، صادق، وفادار، عاجزوں پر رحم کرنے والا ہے۔ پس تم بھی وفادار بن جاؤ اور پورے صدق اور وفا سے دُعا کرو کہ تم پر رحم فرمائے گا۔ دنیا کے شور و غوغا سے الگ ہو جاؤ اور نفسانی جھگڑوں کا دین کو رنگ مت دو۔ خدا کے لئے ہار اختیار کر لو اور شکست کو قبول کر لو تا بڑی بڑی فتحوں کے تم وارث بن جاؤ۔ دعا کرنے والوں کو خدا معجزہ دکھائیگا اور مانگنے والوں کو ایک خارق عادت نعمت دی جائے گی۔ دُعا خدا سے آتی ہے اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے دُعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے۔"

(لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۲۶-۲۷)

تبلیغ اسلام کیلئے خدام کا عہد!

مجلس خدام الاحمدیہ کے اٹھارھویں سالانہ اجتماع میں مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے خدام سے یہ عہد لیا۔ یہ عہد ہر خادم کو اپنی زندگی میں پیش نظر رکھنا چاہیئے ——— (ادارہ)

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

ہم اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم اسلام اور احمدیت کی اشاعت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچانے کیلئے اپنی زندگیوں کے آخری لمحات تک کوشش کرتے چلے جائیں گے اور اس مقدس فریضہ کی تکمیل کیلئے ہمیشہ اپنی زندگیاں خدا اور اس کے رسولؐ کے لئے وقف رکھیں گے۔ اور ہر بڑی سے بڑی قربانی پیش کرکے قیامت تک اسلام کے جھنڈے کو دنیا کے ہر ملک میں اونچا رکھیں گے۔

ہم اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم نظام خلافت کی حفاظت اور اس کے استحکام کے لئے آخری دم تک جدوجہد کرتے رہیں گے اور اپنی اولاد در اولاد کو ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے اور اس کی برکات سے مستفیض ہونے کی تلقین کرتے رہیں گے تاکہ قیامت تک خلافت احمدیہ محفوظ چلی جائے۔ اور قیامت تک سلسلہ احمدیہ کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوتی رہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دنیا کے تمام جھنڈوں سے اونچا لہرانے لگے۔ اے خدا! تو ہمیں اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اللّٰھم اٰمین۔ اللّٰھم اٰمین۔ اللّٰھم اٰمین۔

(مشعل راہ صـ۹۱۳)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے زیر اہتمام ــــ پہلا آل ربوہ ٹیبل ٹینس ٹورنامنٹ

۱۸-۱۹-۲۰ تاریخ (فروری) کو مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے زیر اہتمام ایوانِ محمود ربوہ میں پہلا آل ربوہ ٹیبل ٹینس ٹورنامنٹ منعقد ہوا۔ ٹورنامنٹ کا افتتاح ۱۸ تاریخ شام چار بجے مکرم چوہدری سمیع اللہ صاحب سیال مہتمم صحت جسمانی مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے فرمایا۔ ٹورنامنٹ لیگ سسٹم پر کھیلا گیا۔ اس ٹورنامنٹ میں سنگل و ڈبل مقابلہ جات کے علاوہ اس کھیل کی مقبولیت بڑھانے کی غرض سے جونیئر سیکشن میں بھی مقابلے کروائے گئے۔ مجموعی طور پر اس ٹورنامنٹ میں ربوہ کی ۵۰ ٹیموں نے شرکت کی۔ (سنگل ــــ ۲۸، ڈبل ــــ ۱۴، جونیئر ــــ ۸)

فائینل مقابلے ۲۰ تاریخ شام چار بجے شروع ہوئے۔ مقابلے شروع ہونے سے پہلے مہمانِ خصوصی محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب سابق صدر مجلس خدام الاحمدیہ سے فائینل ٹیموں کے کھلاڑیوں کا تعارف کرایا گیا۔ ٹورنامنٹ کے فائینل مقابلے بہت دلچسپ ثابت ہوئے۔ مکرم اشرف اعوان صاحب اور نعیم صاحب نے شاندار کھیل کا مظاہرہ کرتے ہوئے حاضرین سے دادِ تحسین وصول کی۔

فائینل مقابلہ جات کے بعد مکرم محمد اسماعیل صاحب وسیم صدر ٹورنامنٹ کمیٹی نے رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ اسکے بعد مہمانِ خصوصی محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے کامیاب کھلاڑیوں میں انعامات تقسیم فرمائے۔

انعامات تقسیم فرمانے کے بعد آپ نے اپنے خطاب میں اس امر پر خوشی کا اظہار فرمایا کہ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے اِن ڈور گیموں کا اجراء کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب اس ہال (ایوانِ محمود) کے بنانے کی سکیم زیرِ غور تھی تو اس وقت یہ پروگرام بھی تھا کہ تعمیر ہال کے بعد اس میں اِن ڈور گیمز شروع کرائی جائیں گی لیکن ہال کے بننے کے بعد کئی سال تک اِن ڈور گیمز شروع نہ ہو سکیں۔ محترم چوہدری حمید اللہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ کی یہ کوشش قابلِ تحسین ہے کہ اس ہال میں اِن ڈور گیموں بیڈمنٹن اور ٹیبل ٹینس کا اجراء ہو چکا ہے۔

مہمانِ خصوصی کے اِس مختصر خطاب کے بعد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا پہلا کل ربوہ ٹیبل ٹینس ٹورنامنٹ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

ٹورنامنٹ کے نتائج درج ذیل ہیں:۔

ڈبل ــــ اوّل مکرم محمد اسحق صاحب ــــ مکرم اشرف اعوان صاحب

سنگل ــــ اوّل مکرم زاہد محمود خان صاحب ــــ دوم مکرم نعیم احمد صاحب

(جونیئر سیکشن میں مکرم قمر احمد صاحب کو اوّل انعام کا مستحق قرار دیا گیا)

محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ
کا
دورہ ضلع لاہور

محترم پروفیسر چوہدری حمید اللہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے مورخہ ۲۷-۲۸ر تبلیغ (فروری) کو مجلس خدام الاحمدیہ لاہور، مغلپورہ اور ماڈل ٹاؤن کا دورہ فرمایا۔
اس دورہ کے دوران اراکین مجلس عاملہ اور قائدین مجالس کو دی جانے والی ہدایات اور خدام و اطفال سے خطابات کی مختصر رپورٹ مجالس اور خدام و اطفال کے استفادہ اور راہنمائی کے لئے درج ذیل ہے ——— (مرتبہ: مکرم مبارک احمد صاحب خالد کارکن خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

۲۷ر تبلیغ (فروری) کو چار بجے شام مسجد دہلی دروازہ لاہور میں اراکین مجلس عاملہ لاہور شہر کو محترم صدر صاحب نے چند ہدایات دیں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ ایک ایسی مجلس کے عہدیدار ہیں جو اپنے خدام کی تعداد کے لحاظ سے ربوہ کی مجلس کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ عہدیدار کی حیثیت ایک امین کی ہوتی ہے۔ جس طرح ہم لوگوں کی امانتوں کی اپنے ذاتی مال سے زیادہ حفاظت کرتے ہیں اسی طرح ہمیں عہدہ کی اس امانت کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیئے اور اس کے نتیجہ میں جو فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کو پورا کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے شعبہ وار مجلس کے کام کا جائزہ لیا اور تفصیلی ہدایات دیں جن کا کچھ حصہ درج ذیل ہے:-

(۱) اس وقت خدام کے ایک حصہ کا مجلس کی تنظیم کے ساتھ تعلق کمزور ہے اس تعلق کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مجلس اپنے جملہ خدام کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کی مہم شروع کرے۔ اس مہم کی بنیاد اس بات پر ہونی چاہیئے کہ ہر حلقہ کے عہدیدار ان تمام ایسے خدام سے ملیں، ان کے پاس بیٹھیں اور ان کو پیار اور محبت کے ساتھ یہ بات ذہن نشین کروائیں کہ جماعت کے نوجوانوں کے تنظیم کے ساتھ مضبوط تعلق رکھنے سے

کیا کیا برکات وابستہ ہیں۔ اس مہم کا نتیجہ یہ نکلنا چاہیئے کہ مجلس کے مقررہ پروگراموں میں تعداد کے لحاظ سے خدام کی شمولیت بڑھے خواہ یہ پروگرام اجلاس عام سے تعلق رکھتا ہو، حلقہ جات کے اجلاسات سے تعلق رکھتا ہو، وقارِ عمل سے تعلق رکھتا ہو، نماز باجماعت سے یا مرکزی امتحانات سے تعلق رکھتا ہو۔

(۲) حلقہ جات میں زعماء کی مجلس عاملہ کے اجلاس باقاعدگی سے کئے جائیں۔

(۳) لاہور کی مجالس اپنے اجلاساتِ عام باقاعدگی سے منعقد کرنے کی عادت ڈالیں۔ ان اجلاسات کے پروگراموں کو دلچسپ بنائیں۔ ان اجلاسات میں تجربہ کار احباب اور مرکزی نمائندگان کی تقاریر کے علاوہ خدام کو بھی تقریر کرنے کا موقع دیں۔

(۴) بہتر ہو کہ مجلس ہر ماہ کا پروگرام مہینہ شروع ہونے سے پہلے ہی مرتب کر لے اور سائیکلوسٹائل کر کے عہدیداران میں تقسیم کر دے۔ اس طریق پر بعض دوسری بڑی مجالس کامیابی کے ساتھ عمل کر رہی ہیں۔

(۵) مراکزِ نماز کو آباد کیا جائے۔

(۶) خدام کو روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے کا عادی بنایا جائے۔

(۷) گزشتہ سال مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کے صرف ۱۰۶ خدام مرکزی امتحانات میں شامل ہوئے تھے امسال کم از کم ۵۰۰ خدام اِن امتحانات میں شامل ہونے چاہئیں نیز امتحانات کی تیاری کے لئے ضروری ہے کہ خدام کے پاس امتحانات کے نصاب کی کتابیں بھی موجود ہوں۔

(۸) مجلس ہر ماہ حضرت مسیح موعود کی کسی ایک کتاب کا خود امتحان لے۔

(۹) علمی مقابلے (مثلاً تقریری مقابلہ، مقابلہ عام دینی معلومات اور مضمون نویسی وغیرہ) کروائے جائیں۔

(۱۰) خدام کے زیرِ تبلیغ افراد کی تعداد بہت کم ہے کم از کم ایک فرد ہر خادم کے زیرِ تبلیغ ضرور ہونا چاہیئے۔

(۱۱) خدام کو توجہ دلائی جائے کہ نئے نئے غیر از جماعت اصحاب سے واقفیت پیدا کریں اور ان کو جماعت احمدیہ کے عقائد اور اس کی مساعی سے روشناس کروائیں۔ اس غرض کے لئے یہ ضروری ہے کہ خدام کو اپنے عقائد اور ان کے دلائل سے پوری واقفیت ہو۔

(۱۲) جو خدام ابھی تک تحریک جدید کے جہاد میں شامل نہیں ان کو شامل کرنے کی کوشش کی جائے اور جو شامل ہیں اُن کو اپنے وعدہ جات بڑھانے کی طرف توجہ دلائی جائے۔

(۱۳) اگر مجلس کوشش کرے تو خالد رسالہ کے لئے اچھے اچھے مضامین مہیا کر سکتی ہے۔ اس طور پر کہ جن خدام نے جو علوم خاص طور پر

سیکھے ہوں اُن سے مختصر اور مقبول مواضیع پر مضامین لکھوا کر بھیجیں۔

(۱۴) مجلس لاہور کا شعبۂ اطفال خاص توجہ چاہتا ہے۔ اس کے لئے ہر حلقہ میں انصار میں سے کسی بزرگ کو مربّی مقرر کیا جائے جو مجلس کے عہدیداران کی مدد سے بچوں کو دینی تعلیم، نماز پڑھنے اور محنت کی عادت ڈالنے کی طرف توجہ دیں اور والدین کے تعاون سے اس بات کی طرف توجہ دیں کہ بچے کسی صورت میں بھی آوارہ نہ پھریں اور وقت ضائع نہ کریں۔

(۱۵) بچوں کو ان کے امتحانات (ستارۂ اطفال، ہلال اطفال، قمر اطفال اور بدر اطفال) کے لئے تیار کریں۔

(۱۶) بچوں کو کتابچہ "یاد رکھنے کی باتیں" حفظ کروائیں۔

(۱۷) وقتاً فوقتاً بچوں میں علمی مقابلے کروائیں۔

اِن شعبہ جات کے علاوہ مکرم صدر صاحب نے شعبۂ مال کے کام کا جائزہ بھی لیا اور وصولی کی حالت کو بہتر بنانے کی طرف توجہ دلائی۔

کم و بیش انہی خطوط پر اراکین مجلس عاملہ مغلپورہ اور ماڈل ٹاؤن کو ان کے اجلاسات میں ہدایات دیں۔

مکرم مبشر احمد صاحب دہلوی قائد مجلس ماڈل ٹاؤن نے محترم صدر صاحب مجلس مرکزیہ کو بتایا کہ عنقریب مسجد احمدیہ ماڈل ٹاؤن کے ساتھ کھلی جگہ میں خدام کے لئے بعض کھیلوں کا انتظام کر رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ خدام کا مجلس کے نظم کے ساتھ رابطہ بڑھ جائے گا۔

مجلس خدام الاحمدیہ مغلپورہ کا اجلاس عام

مؤرخہ ۲۷ تبلیغ ۵۰ھش=۱۳ / ۲۷ فروری ۱۹۷۱ء کو بعد نماز مغرب مسجد احمدیہ مغلپورہ میں مجلس خدام الاحمدیہ مغلپورہ کا اجلاس عام منعقد ہوا جس کی صدارت محترم چوہدری حمید اللہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے فرمائی۔ تلاوت کے بعد خدام نے اپنا عہد دہرایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک نظم کے بعد مکرم نائب قائد صاحب نے مجلس خدام الاحمدیہ مغلپورہ کی پہلی سہ ماہی کی کارگزاری کی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ بعد ازاں محترم صدر صاحب نے خدام سے بعض سوالات کے ذریعہ مجلس کے کام کا جائزہ لیا۔ مثلاً اس اجلاس میں کُل ۵۲ خدام حاضر تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان میں سے ۲۳ نے ماہ تبلیغ (فروری) میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی نہ کوئی کتاب پڑھی تھی۔ ان میں سے ۱۴ کو سورہ بقرہ کی پہلی سترہ آیات یاد تھیں۔ ۲۷ خدام ایسے تھے جنہوں نے فروری کے مہینہ میں خدمتِ خلق کا کوئی نہ کوئی کام کیا تھا۔ اس کے بعد محترم صدر صاحب نے خدام سے خطاب کیا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ
تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا
كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ

کی روشنی میں علم قرآن کے حصول اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کو اختیار کرنے کی طرف

توجہ دلائی۔ نیز بتایا کہ یہ قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی کہ صحابہ کرامؓ دنیا کے امام اور راہنما بنے اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی بھی کروگے ہدایت پا جاؤ گے۔

محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے خاص طور پر خدام کو نماز باجماعت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اسوہ پیش کر کے نماز باجماعت کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی۔ آخر میں محترم صدر صاحب نے خدام کے سامنے ان کے عہد کے مختلف حصّوں کا تفصیل سے ذکر کیا اور خدام کو فرمایا کہ ان کا عہد جس کو وہ ہر اجلاس میں دہراتے ہیں چاہیئے کہ اسکے مختلف حصّوں پر ہمیشہ غور کرتے رہیں اور اس پر عمل کرنے کی ہمیشہ کوشش کریں۔

مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کا اجلاس عام

۲۸ر تبلیغ (فروری) بوقت گیارہ بجے مجلس خدام الاحمدیہ لاہور کا اجلاس زیر صدارت محترم چوہدری حمید اللہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ مسجد احمدیہ دارالذکر میں شروع ہوا۔ تلاوت، عہد اور نظم کے بعد قائد مجلس مکرم مجیب الرحمان صاحب ایڈووکیٹ کی درخواست پر محترم صدر صاحب نے گزشتہ سال کے علمی و ورزشی مقابلہ جات کے انعامات خدام میں تقسیم فرمائے۔ اعلیٰ کارکردگی کے لحاظ سے چند عہدیداران کو بھی انعامات دیئے گئے۔

اس کے بعد آپ نے مجلس لاہور کے خدام سے خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ مجلس خدام الاحمدیہ کو قائم ہوئے ۳۳ سال کا عرصہ گزر چکا ہے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض و غایت اور اہمیت آپ کے سامنے بیان کی جائے۔ مجلس کے قیام کی غرض یہ ہے کہ ہم ایک مذہبی جماعت ہیں اور ہمارا ایک خاص پروگرام ہے جسے ہم ساری دنیا میں جاری کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم فانی اور ہماری زندگیاں محدود ہیں جبکہ یہ کام اتنا بڑا اور وسیع ہے کہ ہماری زندگیوں میں اس کا مکمل ہونا ممکن نہیں۔ اس لئے اس کا حل یہی ہے کہ پہلے لوگ بعد میں آنے والوں اور بعد میں زندہ رہنے والوں کو جماعت کے عقائد، اس کا نصب العین اور اس کا پروگرام اچھی طرح سے ذہن نشین کروا دیں اور ان کے اندر جماعتی اغراض و مقاصد کی خاطر قربانی کی روح پیدا کر دیں تاکہ یہ کام ان کی زندگیوں کے ختم ہونے کے بعد بھی چلتا رہے۔ اگر ہر نسل اس بات پر عمل کرے کہ آئندہ نسل کو جماعت کا پروگرام اور نصب العین ذہن نشین کروا دے اور اس کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرنے کا جذبہ پیدا کر دے تو پھر یہ بات عین ممکن بن جاتی ہے کہ جماعت احمدیہ اور اسکے ساتھ وابستہ برکات کا زمانہ قیامت تک ممتد ہو جائے اور یہی مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض و غایت

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

"بخارِ دل"

جناب سلیم شاہجہانپوری حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہانپوری رضی کے قریبی عزیزوں میں سے ہیں اور نہایت منجھے ہوئے ادیب اور شاعر ہیں اور آجکل "شعرائے احمدیت" سے متعلق ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ ان کا یہ قیمتی مقالہ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجموعۂ کلام "بخارِ دل" کے بارے میں ہدیۂ قارئین ہے —— (ادارہ)

قبولِ عام اور بقائے دوام کی نعمت اللہ تعالیٰ کا وہ عطیہ ہے جو وہ اپنے مخلص بندوں کو کسی نہ کسی بہانے سے عطا فرماتا رہتا ہے اور بقول شاعر ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اُن نوع بہ نوع اور گوناگوں انعامات کا شمار کرنا بھی انسان کے حیطۂ اقتدار سے باہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی بندہ پروری سے انسان کو عطا کئے ہیں۔ انھیں انعاماتِ الٰہی میں سے ایک نعمت موزوں اور مؤثر منظوم کلام بھی ہے۔ دنیا کی دوسری زبانوں سے قطع نظر اگر صرف اُردو زبان ہی میں تلاش کیا جائے تو قبولِ عام کی ایسی صدہا مثالیں تلاش کی جا سکتی ہیں جن میں شاعر کی کوئی خاص کاوش اس کو منظرِ عام پر لے آئی اور بقائے دوام کی نعمت سے مالامال کر گئی۔ ابتدا میں ولی دکنی، حاتم و آبرو اور میر و مرزا جو زبان استعمال کرتے رہے وہ ہمارے زمانہ کی شُستہ و رُفتہ اور ترقی یافتہ زبان سے بالکل لگا نہیں کھاتی —— سینکڑوں الفاظ ہیں جو اُس وقت عام طور سے بولے اور تحریر میں لائے جاتے تھے آج بالکل متروک ہیں اور کوئی دانشمند بقائمی ہوش و حواس اُن کو استعمال کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا لیکن اس کے باوجود میر تقی میر کے بکثرت اشعار آج بھی زبان زد خلائق ہیں اور اپنے گہرے جذباتی تاثر کے لحاظ سے اس قدر پائدار واقع ہوئے ہیں کہ جب تک اُردو زبان دنیا میں رائج ہے ان اشعار کو لوحِ دل سے محو نہیں کیا جا سکتا بعض اشعار ملاحظہ ہوں ؎

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

یا مرزا سوداؔ کا یہ شعر :-

سوداؔ جو ترا حال ہے ایسا تو نہیں وہ
کیا جانیئے تُو نے اُسے کس حال میں دیکھا

یا میر حسنؔ کی مثنوی سحر البیان اور اُس کے خاص خاص مقامات مثلاً جنگل میں چاندنی رات کا سماں، جو کچھ اِس انداز سے موزوں کیا گیا ہے کہ قارئین اُس کی سلاست و روانی اور منظر کشی سے مسحور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو :-

وہ سنسان جنگل وہ نُورِ قمر
وہ بُراق سا ہر طرف دشت و دَر
وہ اُجلا سا میدان چمکتی سی ریت
اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے پتے چمکتے ہوئے
خس و خار سارے جھمکتے ہوئے
وہ بیتوں سے چھن چھن کے مہ کا ظہور
گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نُور
درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا
لگی بولنے وجد میں واہ وا

اسی طرح متوسطین شعراء اُردو میں غالبؔ و مومنؔ نے اپنے بے نظیر کلام سے اُردو زبان میں چار چاند لگا دیئے اور غالبؔ نے تو عالمگیر شہرت حاصل کی اور اپنی بلندیٔ تخیل اور نُدرت آفرینی سے قارئین کے دل فتح کر لیئے۔ اسی طرح محسنؔ کاکوروی نے نعتیہ میدان میں اپنی بے نظیر بلند پایہ مثنویات سے میدانِ شاعری میں ایک نئے اور اچھوتے باب کا اضافہ کیا اور یہ کمال انہیں پر ختم ہو گیا۔ اِدھر حفیظؔ جالندھری نے شاہنامۂ اسلام کے وسیلے سے اور علامہ اقبالؔ نے شکوہ و جواب شکوہ لکھ کر اپنے لئے شہرتِ عام اور بقائے دوام کا سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا۔ صحافت کے میدان میں برصغیر کے مشہور و معروف صحافی اور افسانہ نویس شوکتؔ تھانوی کو لازوال شہرت اُن کے ایک افسانہ "سودیشی ریل" کے ذریعہ حاصل ہوئی۔ جس کو اُس زمانے کے تمام اخبارات و رسائل نے نقل کر کے اُس کی دل آویزی اور مقبولیت پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی تھی۔

اِس تمہید کے بعد میں نفسِ مطلب کی طرف آتا ہوں اور اِس امر کے اظہار میں فخر و خوشی محسوس کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس خالص مذہبی اور رُوحانی شاعری کی بنیاد ڈالی تھی اور جس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ وہ شاعری ایسی بے نظیر اور اپنے رنگ میں ایسی منفرد ہے جس میں حضورؑ کے ہمعصر دیگر شعراء کو قطعاً کوئی دخل نہیں اور وہ قطعاً اس قسم کی شاعری پر دسترس نہیں پا سکیں گے جیسا کہ فرمایا :-

" در کلامِ تو چیزے است کہ شعراء
را دراں دخلے نیست "

اُس خالص مذہبی اور رُوحانی شاعری کے رنگا رنگ نمونے ہمیں حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ کے کلام میں جا بجا ملتے ہیں۔ حال ہی میں آپ کے کلام کا ایک مکمّل ایڈیشن محترم شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی نے بڑے اہتمام کے ساتھ لاہور سے شائع کر دیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جس حربہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعلاء کلمۃ الحق اور اشاعت و ابلاغِ دین کے لئے موزون خیال فرما کر استعمال کیا تھا اُس کی افادیت و اہمیت کے پیشِ نظر دیگر شعرائے احمدیت نے بھی اس کے استعمال کو جاری رکھا بلکہ آج بھی موزوں طبع احمدی اہلِ علم حضرات اس سے کام لے کر وہی فوائد حاصل کر رہے ہیں۔

حضرت میر صاحب رضی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تتبّع میں بڑے ہی اچھوتے اور مخلصانہ انداز میں وارداتِ قلبی کے بیان کے ساتھ ہی ساتھ پند و نصائح کو بھی شعری جامہ پہنا کر تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کا فریضہ باحسن وجوہ انجام دیا ہے۔ آپ کی اس تصنیفِ لطیف کا نام "بخارِ دل" ہے لیکن مجھے اس امر کے اظہار میں پس و پیش نہ کرنا چاہیئے کہ اس کتاب کا نچوڑ "بخارِ دل" نامی نظم میں آگیا ہے جو اس کتاب کی زینت ہے اور جس کی تمہید میں خود حضرت میر صاحب رض نے مندرجہ ذیل سطور قلمبند فرمائیں:۔

"یہ نظم شعر و شاعری کے رنگ میں نہیں لکھی گئی بلکہ واقعی بخارِ دل ہے جیسا کہ اُس کا نام ظاہر کرتا ہے اس نظم کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ احباب کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے اور پھر اس تعلق کو قائم رکھنے کی طرف توجہ پیدا ہو۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس نظم میں استعارہ کے طور پر جو بعض الفاظ آئے ہیں اُن کو استعارہ ہی سمجھا جائے۔ مؤلف کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات کو نعوذ باللہ محدود یا مخلوق کی طرح مجسّم خیال کرتا ہے بلکہ بعض الفاظ محض استعارہ کے طور پر استعمال ہوئے ہیں تاکہ بیان کرنے والے کا ایک قسم کا مفہوم ادا ہو جائے یا بعض الفاظ جوشِ محبت میں ادا کئے جاتے ہیں دوسرے مقام پر وہ جائز نہیں ہوتے۔ پس موقعہ و محل کے لحاظ سے معانی لینے کا خیال رکھنا چاہیئے۔"

اس والہانہ، عارفانہ اور مخلصانہ نظم میں حضرت میر صاحب رض نے بسط و کشاد کی منزلوں کا بڑا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور بڑے ہی گہرے اور فدائیت میں ڈوبے ہوئے جذبات کو صاف، سادہ اور سلیس انداز میں روانی کے ساتھ منظوم کرنے کا انوکھا اور دل موہ لینے والا تجربہ کیا ہے جو حقیقتاً اردو شاعری میں

ایک بالکل نئی چیز ہے۔ یہ قلب کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے حقیقی جذبات ہیں جو دامنِ قرطاس میں بکھیر دیئے گئے ہیں۔ ایک سچے عاشقِ خدا پر راہِ سلوک میں جو واردات وحادثات پیش آتے ہیں اُن کا بے ساختہ اظہار ہے۔ اس میں فلسفیانہ موشگافیوں کی جگہ حقیقی وارداتِ قلب کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ غرض یہ نظم عشقِ الٰہی کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جس کی لہریں رُوح میں اہتزاز اور قلب میں ایک گداز پیدا کرتی اور عشقِ حقیقی میں غرق ہو جانے کی دعوت دیتی ہیں۔

مَیں تمہیداً عرض کر چکا ہوں کہ قبولِ عام اور بقائے دوام اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے جو ہر زمانے میں وہ اپنے مخلص بندوں کو عطا فرماتا رہا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ "بخارِ دل" نظم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے میر صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی وہی نعمت عطا فرمائی ہے اور جب تک جماعتِ احمدیہ دنیا میں قائم ہے (اور ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ جماعت تا قیامِ قیامت قائم رہنے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے) حضرت میر صاحبؓ کی یہ نظم مومنین کے قلوب سے محو نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک صدقہ جاریہ ہے جو میر صاحبؓ نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔ جو اس چھوٹی نظم کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ کی محبت اسکے دل میں جوش مارنے لگے گی اور ذرا سی توجہ اور قوتِ ارادی سے وہ سلوک کی اُن منازل پر گامزن ہونے کی ایک تڑپ اور لگن اپنے دل میں پائے گا جس کا راستہ

حضرت میر صاحبؓ نے ہمیں اپنی پیاری اور عرفانِ الٰہی میں ڈوبی ہوئی نظم میں بتایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا یہ تقاضہ تھا کہ اس کے محبوب سید الاصفیاء والاتقیاء سرتاج المرسلین شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بھی نذرانۂ عقیدت پیش کیا جائے۔ حضرت میر صاحبؓ کے قلبِ صافی میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ ہی ساتھ اس کے حبیبؐ کی محبت بھی اپنا گھر کئے ہوئے تھی چنانچہ آپ نے متعدد نعتیہ نظمیں لکھ کر اپنی والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے لیکن آپ کے تمام منظوم نعتیہ کلام میں بھی آپ کا "سلام بحضور سید الانام" اپنا جواب نہیں رکھتا یہ نظم مقبولیت کے لحاظ سے اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے اکثر اخبارات و رسائل نے اسے پرچوں کی زینت بنایا ہے انشاءاللہ اس سلام کے ذریعہ شہرتِ عام اور بقائے دوام کا جو تاج آپ کے سر پر رکھا گیا وہ تا قیامِ قیامت جگمگاتا رہے گا اور اپنی آب و تاب سے دشمنانِ اسلام کی نظروں کو خیرہ اور محبانِ رسول کے قلوب کو حرارت اور نور فراہم کرتا رہے گا۔

حضرت میر صاحبؓ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ آپ کی ایک نظم سفرِ یورپ پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روانگی کے موقعہ پر ۱۲ر جولائی ۱۹۲۴ء کو جبکہ مسجد اقصیٰ میں ایک کثیر مجمع کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور آپ کے رفقاءِ سفر کا فوٹو

لیا گیا حضور کے روبرو پڑھ کر سُنائی گئی اور ۱۵ جولائی ۱۹۲۴ء کے الفضل میں شائع ہوئی۔ اس نظم میں حضرت میر صاحبؓ نے حضورؓ کے سفرِ یورپ پر روانگی کے سلسلہ میں تمام جماعت کے جذبات کی ترجمانی کی ہے اور دُعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت صاحبؓ کو کامیاب و کامران قادیان واپس لائے۔ پھر جب حضورؓ سفرِ یورپ سے نہایت کامیابی کے ساتھ واپس قادیان میں تشریف لائے تو بعد نمازِ عصر ایک عظیم الشان مجمع کی موجودگی میں مسجد اقصیٰ کے اندر اہلِ قادیان کی طرف سے حضورؓ کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کیا گیا اس موقعہ پر بھی ایڈریس پیش ہونے سے قبل سید عبد الغفور صاحب ابن میر مہدی حسن صاحبؓ نے حضرت میر صاحبؓ کی ایک دوسری نظم جو اسی موقعہ کے لئے لکھی گئی تھی نہایت خوش الحانی سے پڑھ کر سُنائی جس کو سُن کر تمام حاضرین کے دلوں میں انبساط اور اہتزاز کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ یہ نظم ۲۵ نومبر ۱۹۲۴ء کے الفضل میں شائع ہوئی تھی۔

میر صاحبؓ ایک ہمہ دان اور ہمہ گیر قسم کی طبیعت کے مالک تھے۔ آپ کی شخصیت بڑی ہی جاذبِ قلوب اور پہلو دار تھی۔ آپ ایک حاذق طبیب اور ماہر سرجن تھے اور اس نعمتِ خداوندی سے آپ نے بھرپور فائدہ اُٹھا کر حقوق العباد کی ادائیگی کا ایک اہم فریضہ ادا کرنے کی قابلِ رشک توفیق پائی اور خدمتِ خلق کے کسی موقعہ کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ دوسری طرف نگاہ کی جائے تو آپ ایک عارف باللہ اور فنا فی اللہ انسان کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں — ایک ایسے عاشقِ صادق کے رُوپ میں جو منازلِ سلوک طے کرتا ہُوا اور مصائبُ آلام کی وادیوں سے بخندہ پیشانی گزرتا ہوا منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں بڑھتا چلا جارہا ہے۔ آپ ایک بلند پایہ انشاپرداز، ایک فصیح اللسان مقرر، مایۂ ناز ادیب اور اُستادانہ مہارت رکھنے والے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ جس طرح طبی میدان میں آپ نے اپنی فنی مہارت سے پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے مخلوقِ خدا کو بھرپور فائدہ پہنچایا اُسی طرح ادبی میدان میں بھی آپ نے اپنی خداداد ذہانت، موزونیٔ طبع اور شعری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر لاکھوں قلوب میں عشقِ الٰہی کی جوت جگا دی اور گلہائے رنگا رنگ سے گلزارِ معرفت میں ایسے پُر بہار خیابان تیار کئے کہ چشمِ نظارہ بین کو جن کی دید سے طراوت اور قلوبِ مومنین کو جن کے مشاہدہ سے بشاشت و حرارت نصیب ہوتی ہے۔

آپ نے اپنی شاعری کی ابتدا بائیس سال کی عمر یعنی ۱۹۰۳ء میں کی اور چوالیس سال کے طویل دور میں آپ نے کسی موقعہ کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ ہر مناسب موقعہ پر اپنے پاکیزہ خیالات اور قلبی جذبات کو منظوم کلام کی صورت میں پیش کیا ہے۔ آپ کی قادر الکلامی از ابتدا تا انتہا اپنے جوہر دکھاتی رہی۔ حضرت میر صاحبؓ کے لڑکپن اور نوجوانی کے کلام میں ہمیں

تین مزاحیہ نظمیں بھی ملتی ہیں (۱) ایک المناک حادثہ بطرز مرثیہ (۲) واویلا بطرز مثنوی (۳) مرزا غالب اور اُن کے طرفدار بطرز غزل مسلسل۔ اِن تینوں منظومات میں مزاح کا رنگ غالب ہے لیکن ہر نظم حضرت میر صاحبؓ کی جولانی طبع اور قدرتِ کلام پر شاہدِ ناطق کا حکم رکھتی ہے اور اِس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ ابتداء ہی سے آپ کو ہر صنفِ کلام پر استادانہ مہارت حاصل تھی۔ آپ نے مسلسل غزلیں بھی لکھی ہیں اور نظم نما غزلیں بھی، مسدس بھی لکھے ہیں اور مثلث بھی اور قطعات و رباعیات کے میدان میں بھی اپنی شہسواری کے جوہر دکھائے ہیں لیکن آپ کی جملہ منظومات میں ایک بات قدرِ مشترک کی طرح اپنی جھلکیاں دکھاتی ہے اور وہ ہے آپ کی مقصدیت۔ حیرت کا مقام ہے کہ باوجود بھرپور شعریت کے یہ مقصدیت آپ کے کلام میں ہر جگہ اتنے حسین تناسب کے ساتھ اور ایسے حکیمانہ انداز میں سموئی ہوئی نظر آتی ہے کہ باوجود اُس کو تقدّم حاصل ہونے کے قاری کے ذہن کو براہِ راست اُس کا احساس تک نہیں ہونے پاتا بلکہ وہ شعریت کے بین السطور اُس مقصدیت سے بالواسطہ لیکن محکم طور سے متاثر ہوتا ہے اور یہ تاثر اتنا پائیدار، اتنا گہرا اور اتنے دُور رس نتائج کا حامل ہوتا ہے کہ اُس کا تصور بھی دل میں گداز اور آنکھوں میں نمی پیدا کر دیتا ہے۔ اِس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "مقصدیت" کی اولیت کے متعلق حضرت میر صاحبؓ کا وہ بیان یہاں نقل کر دیا جائے جو آپ نے اپنی شعری کاوشوں کا تعارف کراتے ہوئے خود شاملِ کتاب کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

"شعر کی تعریف اس سے زیادہ نہیں کہ وہ باوزن ہو اُس کے الفاظ عمدہ اور مضمون لطیف ہو۔ میرے بزرگوں کو چونکہ شاعری سے مناسبت تھی اس لئے مجھ میں بھی کچھ حصّہ اِس ذوق کا فطری طور سے آیا ہے مگر اس طرح کہ دس دس بارہ بارہ سال کے عرصہ میں ایک شعر بھی نہیں کہتا، پھر کچھ کہہ لیتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ میرے اشعار مطلب کے حامل ہوتے ہیں نہ کہ الفاظ کے۔ مَیں ایک مضمون ذہن میں رکھ کر شعر کہتا ہوں اور الفاظ اس مضمون کے پابند ہوتے ہیں نہ کہ مضمون الفاظ کا۔ اِس لئے بجائے تغزل کے یہ اشعار نظم کی صورت رکھتے ہیں اور بجائے آمد کے ہمیشہ آورد کا رنگ ان میں ہوتا ہے۔ میرا استاد کوئی نہیں۔ نہ تخلص ہے۔ شروع (یعنی ۱۹۰۲ء) میں جب یہ شوق پیدا ہوا تو چند دفعہ آشنا کا تخلص استعمال کیا پھر ترک کر دیا اور ہمیشہ بے تخلص ہی کے گزارہ کیا۔ میرے کلام میں بیشتر اشعار

بسبب مذہبی ماحول اور دینی تربیت کے متصوفانہ رنگ کے ہیں اور سلسلہ احمدیہ کے مقاصد سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں کبھی کسی کا عمدہ مصرعہ یا شعر یا کسی غیر زبان کا لفظ اپنے شعر میں پیوند کر لینے سے نہیں ہچکچاتا تاہم سرقہ نہیں کرتا۔ بہت زیادہ حصہ ان لفظوں کا ایسا ہے جو دراصل اپنے لئے کہی گئی ہیں نہ کہ اوروں کے لئے۔ میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ان اشعار کو ہمارے بچوں اور نوجوانوں کے لئے بھی مفید بنائے!"

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے حضرت میر صاحبؓ نے نہ صرف ظاہری اصنافِ سخن میں طبع آزمائی فرمائی بلکہ معنویت کے لحاظ سے بھی آپ نے متعدد اور متنوع موضوعات پر اپنی موزونیٔ طبع کے جوہر دکھائے ہیں مثلاً:-

(۱) عرفانِ الٰہی، دنیا میں دیدارِ الٰہی آنکھوں سے نہیں بلکہ کسی قدر عقل سے اور زیادہ تر نشانات کے ذریعہ ہوتا ہے، دیدار الٰہی معرفت ہی کا دوسرا نام ہے، میں نے خدا کو نشانوں سے پہچانا نہ کہ عقل سے، وصل الٰہی، عقبیٰ میں وصل الٰہی، عقل بغیر الہام کے یقین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی، وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی نظمیں ہیں جن میں عرفانِ ذات، معرفتِ حق، وصلِ حبیبؐ اور دیدارِ الٰہی کے حقیقی معنی بیان فرما کر محبتِ الٰہی میں غرق ہو جانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس قسم کی تمام منظومات میر صاحبؓ کے ذاتی تجربات اور عینی مشاہدات کی غمازی کرتی ہیں۔

(۲) "بخارِ دل" کی طرح "محبت کا ایک آنسو" بھی آپ کی ایک نہایت پاکیزہ نظم ہے جو مولا کا اپنے بندے سے پیار کا تعلق ظاہر کرتی ہے۔

(۳) دعا مومن کا ایک آزمودہ ہتھیار ہے جس کے ذریعہ وہ طاقت ور سے طاقت ور دشمن پر بھی غلبہ پا لیتا ہے۔ حضرت میر صاحبؓ نے بھی دعائے من، دعائے سکھ، عاجزانہ دعا، نماز، دعا برائے معرفت وغیرہ نظموں میں اپنے قادر و توانا خدا سے مدد مانگی ہے۔ اور "بندہ"۔ "میرے خدا" (طویل نظم) اور "مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات" کے ذریعہ بندہ کا اپنے مولا سے تعلق قائم ہونے کے امتحانات کی درخواست کی ہے۔

(۴) معرفت الٰہی حاصل ہو جائے تو انسان ضعیف البنیان کو اپنی کمزوری اور ناطاقتی کا احساس شدید سے شدید تر ہو جاتا ہے اور وہ دعا کے ذریعہ اپنے قادر خدا سے مدد چاہتا ہے تو دربار خداوندی سے جواب ملتا ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ
اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ
(ترجمہ) اے ہمارے حبیب تو ان
(یعنی مومنین) سے کہہ دے کہ اگر تم
اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری
اطاعت کرو اللہ تعالیٰ تم کو اپنا
محبوب بنائے گا۔

ہمارے خدا کا یہ پیار بھرا ارشاد جب اس کے پیارے حبیبؐ کے ذریعہ مومنین تک پہنچتا ہے تو ان کے دل اس محسنِ اعظم کے اخلاقِ کریمانہ اور اس حُسنِ مجسّم کے اندازِ محبوبانہ پر نثار ہو جاتے ہیں اور بے ساختہ درود و سلام ان کی زبانوں پر جاری ہو جاتا ہے۔ میر صاحبؓ بھی مومنین کے اسی گروہ میں شامل ہو کر نعتِ خیرالانامؐ میں ایک ایسی اچھوتی نظم پیش کرتے ہیں جو مقبولیت کے لحاظ سے نعتیہ شاعری کے میدان میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے اور جب تک محامد خاتم النبیینؐ سے دلوں کو گرمانے کا فریضہ انجام پاتا رہے گا (اور یہ سلسلہ تا قیامِ قیامت جاری رہے گا) میر صاحبؓ کے اس "سلام بحضور سید الانام" کو ہرگز ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔ آپ کی محبتِ رسولؐ میں ڈوبی ہوئی ایک دوسری نظم "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کے علاوہ "محمد مصطفٰے ہے مجتبٰے ہے" اور دیگر نعتیہ کلام آپ کے اس گہرے قلبی لگاؤ کا آئینہ دار ہے جو آپ کو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات سے تھا۔

(۵) خُلقِ مجسّم، محسنِ عالم حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضہ تھا کہ حضورؐ کے جلیل القدر فرزند روحانی مسیح زمان، مہدیٔ دوران حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی والہانہ عقیدت اور خادمانہ ارادت کا اظہار کیا جائے اور آقا کی تعریف کے بعد اس کے محبوب ترین خادم کی صفات کے بیان سے بھی دلوں میں گداز پیدا کیا جائے۔ حضرت میر صاحبؓ نے اس فریضہ کی ادائیگی کو بھی ضروری خیال کرتے ہوئے اپنی متعدد نظموں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی عقیدت مندی کا خراج پیش کیا ہے۔ "نعت حضرت مسیح موعود علیہ السلام"، "رسول قادیانی" اور "درود بر مسیح موعود علیہ السلام" اسی قبیل کی منظومات ہیں۔

(۶) انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ اپنے محبوب کے متعلق بلکہ اس کے شہر کی گلیوں تک سے محبت اور عقیدت پیدا ہو جاتی ہے حضرت میر صاحبؓ کا محبت بھرا اور عقیدت مند دل بھی بھلا اس جذبہ سے کس طرح خالی رہ سکتا تھا۔ آپ نے اپنے مرشد سیدنا حضرت

مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق
قادیان سے اپنی محبت کا اظہار متعدد منظومات
میں کیا ہے اور قادیان سے جدائی کا نقشہ
اور فراق کا حال "در فراقِ قادیان" والی
نظم میں بڑے ہی دردانگیز طریقہ سے کیا ہے۔
اسی قبیل کی ایک دوسری نظم "قادیان دارالامان"
ہے۔ "قصۂ ہجر ایک مہجور کی زبان سے"۔ "ہم
قادیان سے بول رہے ہیں"۔ "ہم ڈلہوزی سے
بول رہے ہیں" ان تینوں نظموں میں بھی قادیان
سے دلی وابستگی کا اظہار کیا ہے۔

(۷) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے
بعد جو نظامِ خلافت قائم ہوا اس کی اہمیت
اور خلیفۂ وقت کی شفقت اور خلافت کی
برکات پر بھی آپ نے متعدد پُراثر نظمیں لکھ کر
خلافتِ حقہ احمدیہ سے اپنے دلی تعلق اور
قلبی لگاؤ کا اظہار کیا۔

(۸) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تکمیلِ
اشاعتِ دینِ اسلام، قیامِ شریعت
اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جس مقدس
جماعت کو قائم فرمایا اس کے افراد مالی،
جانی، حالی و قالی، تبلیغی و تربیتی جملہ
اقسام کی قربانیاں دے رہے ہیں اور اپنی ہمہ جہتی
تدابیر اور جہدِ مسلسل سے خدماتِ جلیلہ بجا لا رہے
ہیں۔ ایسی مقدس و پاکیزہ جماعت کے
کارناموں کو خراجِ عقیدت پیش کرنا اور
دنیا کو ان مہمات سے آگاہ کرانا جو اس
جماعت کے اولوالعزم و با حوصلہ افراد
شب و روز سر کر رہے ہیں، خدمتِ دین ہی
کا ایک حصہ ہے۔

حضرت میر صاحبؓ نے "ندائے احمدیت"
"احمدی کی تعریف"۔ "میں دین کو دنیا پر مقدم
کروں گا"۔ "احمدیت"۔ "احمدی کیوں ہر اک
سے افضل ہے"۔ "خدامِ احمدیت" وغیرہ
نظموں میں اسی اخوت کو بحسن و خوبی انجام
دیا ہے۔ بلکہ اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے
انفرادی رنگ میں بھی بعض خاص ہستیوں
کے پاکیزہ خصائل کو متعارف کرانے کی
کوشش بھی کی ہے۔ "حضرت مولوی برہان الدین
جہلمیؓ" کے عنوان سے جو نظم آپ نے لکھی ہے
وہ اسی جذبہ کی عکاسی کرتی ہے۔ اسی قبیل کی
ایک نظم حضرت مولوی نعمت اللہ کی شہادت
پر آپ نے رقم فرمائی جس کا عنوان تھا "نعمت اللہ
نے دکھلا دیا قربان ہو کر"۔

(۹) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لختِ جگر
حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب
المصلح الموعودؓ کے خلاف جب اہلِ پیغام
نے ایک مخالفانہ بلکہ معاندانہ محاذ قائم کیا اور
شب و روز "پیغامِ صلح" کے پردے میں محمود
دشمنی اور شقاوتِ قلبی کے اظہار کو اپنا پیشہ

بنالیا تو حضرت میر صاحبؓ کی رگِ حمیت
بھڑک اٹھی اور آپ نے ان زہرآلود تیروں
کا جواب "منکرانِ خلافتِ محمود"۔ "پیغامی
لیڈروں سے خطاب"۔ "اُن کا رنگ" جیسی
نظموں کے ذریعہ دینا ضروری خیال کیا لیکن
جن دوستوں کو میر صاحبؓ کی ان نظموں کو
پڑھنے کا اتفاق ہو وہ اِس بات کی شہادت
دیں گے کہ باوجود مظلوم ہونے اور انتہائی
شدید دل آزاری کا نشانہ بننے کے آپ
نے اپنے کلام میں کوئی قابلِ اعتراض یا
دل آزار بات نہیں کہی اور اپنی پاکیزہ نظموں
کو ابتذال، تمسخر یا استہزاء سے ہرگز آلودہ
نہیں ہونے دیا جو آپ کی عالی ظرفی اور
بلند اخلاقی کا بیّن ثبوت ہے۔

(۱۰) حضرت میر صاحبؓ نے سلسلہ کے بعض اہم
واقعات کو منظوم فرما کر ایک تاریخی خدمت بھی
انجام دی ہے۔ ۱۹۲۴ء میں حضرت مصلح موعودؓ
نے جب مسجد فضل لندن کا سنگِ بنیاد
رکھا تو آپ نے اس موقعہ پر ایک نظم "مرکزِ کفر
میں خانۂ خدا" کے عنوان سے تحریر فرمائی۔
جس کے ذریعہ تمام افرادِ جماعت کے جذبات
کی ترجمانی کا فرض ادا کیا۔

(۱۱) قطعات و رباعیات کے علاوہ تربیتی رنگ
میں آپ نے نظمیں بھی لکھی ہیں۔ مثلاً "مجھ کو کیا بیعت
سے حاصل ہو گیا"۔ "نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر
کے رہے"۔ "خدا داری چہ غم داری" (اہلِ خانہ
کو وصیت)۔ "نوائے تلخ" (مبلغین کو نصیحت)
"قابلِ توجہ خدام" وغیرہ۔

(۱۲) عقائد کے سلسلہ میں بعض مابہ النزاع اور
مختلف فیہ مسائل کے متعلق آپ نے بڑے
لطیف انداز میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا
ہے۔ ایسی نظموں میں "ناسخ و منسوخ"۔ "قرآن،
سُنّت اور حدیث کے مدارج"۔ "عمل ترب
یعنی علم توجہ یا مسمریزم"۔ "کچھ دعا کے متعلق"
(جس میں دعا کے فلسفہ کو اس طرح عام فہم انداز
میں بیان کیا ہے کہ قبولیتِ دعا کے متعلق
تمام شکوک کا ازالہ ہو جاتا ہے)۔ آپ نے
نظم لکھنے سے پیشتر جو تشریح فرمائی ہے
وہ بھی قابلِ غور ہے۔ فرماتے ہیں:۔

دعائیں چھ طرح قبول ہوتی ہیں اور اس
طرح کوئی دعا بھی رد نہیں جاتی (۱) یا تو وہ
لفظاً ہی قبول ہو جاتی ہے (۲) یا اس کی
جگہ آخرت کا بدلہ اور نعمت مل جاتی ہے۔
(۳) یا اتنی ہی مقدار کی کوئی بری تقدیر
دور ہو جاتی ہے (۴) یا بطور عبادت
محسوب ہو جاتی ہے (۵) یا دنیا ہی میں ایک
کی جگہ دوسری بہتر چیز مل جاتی ہے (۶) یا اگر
وہ دعا بندہ کے لئے مضر ہو تو منسوخ کر دی
جاتی ہے اور یہ نامنظوری بھی اجابت اور
رحمت کا رنگ رکھتی ہے (یعنی بندہ ضرر اور

تکلیف سے بچ جاتا ہے۔) وغیرہ نظمیں شامل
ہیں۔

(۱۳) ترکِ لذات کی طرف توجہ دلائی اور رغبت
پیدا کرنے کی سعی مشکور کی ہے۔

"نصیحت از الوصیت"۔ "بشارت از الوصیت"
"ترکِ دنیا"۔ "دنیا متاع الغرور ہے"۔ "ترکِ دنیا
کی تفصیل"۔ "ترکِ دنیا کے معنی ترک فضول ہیں"۔
"دنیا کا انجام"۔ "دنیا ہے جائے فانی دل سے
اسے اُتارو"۔

واقعاتی نظموں میں آپ کی ایک مزاحیہ
نظم بھی شامل ہے جو راشن بندی سے تعلق رکھتی ہے۔
اس نظم کا عنوان ہے "قادیان میں ۱۹۴۳ء میں رمضان
میں ایک تولہ شکر کا راشن"۔ اس نظم کے مطالعہ سے زمانہ
جنگ کی تکالیف و مشکلات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے
کھنچ جاتا ہے۔ حضرت میر صاحبؓ کے قلم حقیقت رقم
نے اس واقعہ کو بھی تاریخ میں محفوظ کر دیا۔ یہ نظم
آپ کی ہمہ گیر طبیعت کے چہرے سے نقاب کشائی
کرنے کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ "قادیان کے آریہ"
بھی اسی قسم کی نظم ہے۔

حضرت میر صاحبؓ نے طنز و مزاح کے
خار زار میں بھی سمندِ فکر کی جولانیاں دکھائی ہیں لیکن
لطف یہ ہے کہ شرافت و متانت کے دامن سے
کسی خار کو اُلجھنے کی اجازت نہ دی۔ آپ نے اپنا
ما فی الضمیر بھی ادا کر دیا لیکن ایسی کہنہ مشقی اور
احتیاط کے ساتھ کہ نہ کسی تسبیح کے بکھرنے کی نوبت
آئی اور نہ کسی زنار کے ٹوٹنے کی صدا بلند ہوئی۔ یہ
حقیقت آپ کے کمالِ فن کا زندہ ثبوت ہے۔

"اس لئے تصویرِ جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں"
ایک ایسی مدلل تبلیغی نظم ہے جو آپ کی قادر الکلامی
اور حقیقت نگاری کو ایک نئے روپ میں نگاہوں
کے سامنے لا کر قارئین کو محوِ حیرت بنا دیتی ہے۔

منظومات کے علاوہ حضرت میر صاحبؓ
نے نہایت پاکیزہ جذبات کی حامل عارفانہ غزلیات
بھی کہی ہیں جو محبتِ الٰہی اور عشقِ حقیقی میں ڈوب کر
تحریر کی گئی ہیں۔ اور یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اپنے
تسلسل اور مقصدیت کے لحاظ سے یہ غزل نما نظم
کہلانے کی زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ان کا مرکزی نقطۂ
خیال عشقِ حقیقی کے سوا کچھ نہیں۔ ایسی مسلسل غزلیات
کے ضمن میں "تو کیا آئے"۔ "ہو نہیں سکتا"۔ "عشق و مشک"
"کہ جتنے زنگ مخفی ہیں محبت سب کی صیقل ہے"۔
"محبت"۔ "دن مدتوں میں آتے ہیں پھر اہلِ حال کے"
"جو رہ تجھے پسند ہے اس پہ چلا مجھے"۔ "آئیگی مرے
بعد تمھیں میری وفا یاد"۔ "چشمِ بینا حسنِ فتانی کی
تماشائی نہیں" وغیرہ غزلیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

اُردو ادب میں اور خصوصاً منظومات میں
منظر کشی بھی ایک صنعت ہے اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا
کہ میر انیس اور مرزا دبیر نے اس فن میں اپنے کمالات
کا ماہرانہ اور استادانہ مظاہرہ کر کے اُردو شاعری
کے دامن کو گلہائے رنگا رنگ سے بھر دیا ہے۔ حضرت
میر صاحبؓ نے بھی ایسی نظمیں رقم فرمائیں جن سے منظر کشی

کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ ایسی نظموں میں آپ کی نظم "کھیار" بہت مقبول ہے اور منظر کشی کا ایک اچھا نمونہ ہے۔

اُردو زبان میں غزل ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس میں مختصر الفاظ یعنی دو مصرعوں کے اندر انسانی جذبات میں سے کسی خاص جذبہ کی عکاسی ممکن ہے اور بارہا اس کا تجربہ کیا گیا ہے مثلاً شکیل بدایونی کا یہ شعر ؎

وہ ہم سے خفا ہیں ہم اُن سے خفا ہیں
مگر بات کرنے کو جی چاہتا ہے

یا سید آلِ رضا رضاؔ لکھنوی کا یہ شعر ؎

جواب خیر نہ دیتے مگر یہ کیوں سمجھے
کہ عرضِ حال بھی مقصود ہے سلام کے ساتھ

یا استاذی المحترم حضرت مختار شاہجہانپوری کا یہ شعر ؎

علاج درد کرتے یا نہ کرتے
مگر وہ پوچھ تو لیتے کہاں ہے؟

لیکن یہ بھی حقیقتِ نفس الامری ہے کہ واعظانہ پند و نصائح یا ناصحانہ تلقینِ عمل کے لئے قطعات و رباعیات کی اصناف زیادہ موزونیت رکھتی ہیں اور شاعر کو اپنا مافی الضمیر ادا کرنے میں تنگی محسوس نہیں ہوتی۔ غالب نے بھی شاید غزل کے دامن میں یہی تنگی محسوس کرتے ہوئے شکوہ کیا تھا کہ ؎

بقدرِ شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے

میر انیس، مرزا دبیرؔ، اکبر الہ آبادی، امجد حیدرآبادی، حکیم اختر انصاری اکبر آبادی، جوش ملسیانی، جوش ملیح آبادی اور دورِ موجودہ میں راغب مراد آبادی، اور رئیس امروہوی نے ان اصناف میں اپنی جودتِ طبع کے خوب خوب جوہر دکھائے ہیں۔ ہمارے میر صاحب بھی اس میدان میں اُترے ہیں اور اُن کے اشہبِ قلم کی جولانیوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ اس میدان کے بھی شہسوار ہیں۔ آپ نے اپنے قطعات میں بعض فارسی مصرعے جو ضرب الامثال کی حیثیت رکھتے تھے بلا تکلف استعمال کئے ہیں اور ان کو ایسے سلیقے سے کام میں لائے ہیں کہ ہر مصرعہ اُس قطعہ کا جزوِ لاینفک بن گیا ہے جس میں وہ استعمال کیا گیا۔ اسی طرح آپ نے عربی فقرات اور ہندی محاورات استعمال کرنے سے احتراز نہیں کیا بلکہ بڑی چابکدستی سے ان فقرات یا محاورات کو اپنے حسبِ منشاء استعمال کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

اعمالِ صالحہ

کبھی تو چاہیئے اے دوست آخرت کا خیال
کبھی تو عیش کو چھوڑ اور عمل کا وقت نکال
نہ کام آئیں گے عقبیٰ میں مال اور دولت
"کہ مال تا بلب گور است بعد ازاں اعمال"

ذات اُس کی ہے خیرِ محض اے دوست
رحم ہے مغز اور سزا ہے پوست
دُکھ ہے نعمت تو دُکھ علاج ترا
"ہر چہ از دوست می رسد نیکوست"

اَللّٰہُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ

حسد سے نہ بن تو مسیحا کا دشمن
دلائل کو دیکھ اور نشاناتِ روشن
نہ کر سوکنوں کی طرح عیب چینی
"پیا جس کو چاہیں وہی ہے سہاگن"

ذکرِ الٰہی اور اصلاحِ نفس

رکھ زباں کو ذکر سے مولا کے تر
تا زباں سے رُوح تک پہنچے اثر
دل بھی سیدھا کر کہیں ایسا نہ ہو
"بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر"

نماز اور زکوٰۃ

دلاتا ہے صدقہ بلا سے نجات
دعائیں پلاتی ہیں آبِ حیات
یہی دو ہیں بس مغزِ احکامِ دیں
اقیموا الصّلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ

حضرت میر صاحبؓ نے گلہائے رنگا رنگ سے ایک ایسا گلدستہ تیار کیا ہے جس کا ہر پھول اپنی مہک اور اپنے رنگ سے دلوں کو بشاشت اور آنکھوں کو طراوت مہیا کرتا ہے۔ مضمون لمبا ہو گیا ورنہ جی تو یہی چاہتا تھا کہ چند اور نمونے پیش کئے جاتے سہ

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

الوداعی تقریب

۱۴ر تبلیغ (فروری) بعد نماز مغرب مجلس خدام الاحمدیہ خوشاب ضلع سرگودھا نے مکرم صالح محمد صاحب معتمد خدام الاحمدیہ خوشاب کے اعزاز میں الوداعی پارٹی دی جو ایک سال تین ماہ تک معتمد مقامی رہنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون شہر تشریف لیجا رہے تھے۔ اس پارٹی میں اراکین مجلس عاملہ، چند اطفال اور انصار نے شرکت فرمائی۔ اجلاس کی کارروائی تلاوتِ قرآن پاک سے شروع ہوئی اور نظم حضرت المصلح الموعودؓ کے بعد مکرم عبد الرشید صاحب نے سپاسنامہ پیش کیا جس کا جواب بعد میں صاحب موصوف نے دیا۔ آخر میں مکرم حافظ عبد الکریم خان صاحب صدر جماعت احمدیہ خوشاب نے خطاب فرمایا جس میں صاحب موصوف کی دینی خدمات کو سراہا۔ دعا کے بعد اس الوداعی تقریب کی کارروائی انجام پذیر ہوئی۔ امید ہے مکرم صالح محمد صاحب اب بھی مجلس کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہیں گے۔

تزلزل در ایوانِ کسریٰ فتاد

ایک عظیم الشّان پیشگوئی کا واقعاتی اور تاریخی ثبوت

(محترم جناب عبد الرحمٰن صاحب شاکر۔ ربوہ)

حضرت سعدی شیرازی کی مشہور کتاب بوستان کے ابتداء میں نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں ایک شعر آتا ہے ؎

چوں صیتش بافواہِ دنیا فتاد
تزلزل در ایوانِ کسریٰ فتاد

(ترجمہ) جب آنحضرتؐ کی تعریف دنیا میں پھیلی تو کسریٰ کے محل میں زلزلہ آ گیا۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ کسریٰ ایران کے بادشاہ کو کہتے تھے اور تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام کی پیدائش پر کسریٰ کے محل کے چند کنگرے گر گئے تھے۔

اس شعر کا دوسرا مصرع ۱۵ رجنوری ۱۹۰۶ء کو اس زمانہ کے مرسل، امام الزمان حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام پر خدا تعالیٰ نے بطور الہام نازل فرمایا۔ (دیکھئے تذکرہ طبع ثانی صہ ۵۸۲)

اس الہام میں اُس زمانہ کی ایرانی حکومت کی ابتر حالت کے متعلق ارشارہ ہے۔ ایسی انتصار کے ساتھ اس حکومت کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں جس کے پس منظر میں یہ پیشگوئی نہایت نمایاں نظر آئیگی۔

ایران میں اس وقت قاچار خاندان حکمران تھا۔ قاچار ایران کے چند مشہور اور طاقتور قبائل میں سے ہے۔ اس کا بانی آغا محمد خان تھا۔ اس کے بعد اس کا بھتیجا فتح علی شاہ قاچار بادشاہ ہوا۔ اسی کے زمانہ میں پہلے پہل یورپین اقوام نے ایران میں رسائی حاصل کی۔ ایک امریکن مؤرخ لکھتا ہے:۔

Under Fateh Ali shah, the nephew and succesor of Aga Muhammad Khan, the great drama of Iran begins, in the course of which

۱۸۳۴ء میں فتح علی شاہ فوت ہو گیا تو ناصر الدین
شاہ قاچار تخت نشین ہوا۔ اُس وقت اُس کی عمر ۱۶ سال
کی تھی۔ اُس نے ۱۸۹۶ء تک حکومت کی مگر اس کا
لمبا عہدِ حکومت مصائب کی ایک لمبی داستان ہے۔
اُس وقت تک ایران ایک ایسا ملک تھا جس کی پُرانی
اور قابلِ قدر تہذیب ابھی زندہ تھی۔ اس کے عہد
میں یورپین اقوام نے اور بھی جال پھیلائے۔
بظاہر تو وہ ایرانیوں کے بھلے کی بات کرتے تھے
مگر دراصل ایران کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جا رہا
تھا۔ نہایت باریک تدبیروں سے ایران کی جڑیں
کھوکھلی کی جا رہی تھیں اور وقت گزرنے کے ساتھ
ساتھ قدیم تہذیب اور حکومت دونوں کی بنیادیں
متزلزل ہو رہی تھیں۔ اس کے تخت نشین ہونے کے
جلد بعد ہی ایرانیوں نے افغانستان کے شہر ہرات
پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا مگر انگریزوں نے فوراً
بیچ بچاؤ کر کے ہرات واپس افغانوں کو دلا دیا۔
کیوں؟ اس واسطے کہ افغان اُن کے ممنون ہو کر
ہندوستان کی سرحد پر توجہ نہ کر سکیں۔ ۱۸۶۴ء
میں ایران میں تار برقی نصب ہوئی اور ۱۸۷۲ء میں
بیرن رائٹر کو اجازت مل گئی کہ وہ پہلا بنک ایران
میں جاری کرے جو امپیریل بنک آف ایران کہلاتا
تھا۔ ۱۸۸۹ء میں دریائے قارون میں جہاز رانی
کا ٹھیکہ بھی لے لیا۔

ابتداء میں تو ناصر الدین شاہ بہت بیدار مغز
معلوم ہوتا تھا مگر اپنے وزیر مرزا تقی خان کے زیر اثر

Iran is drawn deeper and deeper into the net of the European powers—at first as a potential instrument and active partner, later merely as a tool and a victive." ("Iran" by William S. Hass, Columbia University Press, New York 1946-PP30)

(ترجمہ) آغا محمد شاہ کے بھتیجے اور جانشین
فتح علی شاہ کے عہد میں ایران کا عظیم
ڈراما شروع ہوتا ہے جس کے دوران
ایران یورپین طاقتوں کے جال میں
گہرے سے گہرا پھنس کر رہ گیا۔
ابتداء میں تو (بظاہر) طاقتور ہتھیار
بن کر اور پھر سرگرم حصہ دار بن کر
اور درحقیقت محض آلہ کار بن کر۔
("ایران" از ولیم ایس ہاس۔ کولمبیا
یونیورسٹی پریس نیویارک ۱۹۴۶ء صفحہ ۳۰)

اُس نے مغربی طور طریقے ملک میں جاری کرنے شروع کر دیئے۔ عوام کی فریاد سُننے کے لئے ایک عدالت بھی قائم کی مگر اُسے باقاعدگی سے چلا نہ سکا۔ بادشاہ کے کان میں یہ بات بھی ڈالی گئی کہ وہ یورپین ممالک کی سیاحت کرے۔ کسی ایرانی بادشاہ نے آج تک اپنی مملکت کی سرحد سے باہر قدم نہ نکالا تھا۔ آخر بادشاہ سفر پر روانہ ہؤا اور یورپ کے مختلف درباروں میں اس کا نہایت خوشامدانہ استقبال ہؤا۔

۱۸۷۳ء میں بادشاہ نے ایک کونسل آف سٹیٹ بنائی مگر کبھی سنجیدگی سے اس کے فیصلوں پر عمل درآمد نہ کرا سکا کیونکہ اس کونسل کی پُشت پر کوئی آئینی طریق کار یا قوانین نہ تھے۔ بادشاہ کی مرضی کے مطابق ہی فیصلے ہوتے تھے۔ ایسے حالات میں کوئی شخص ذمہ واری قبول کرنے کو ہرگز تیار نہ تھا۔

بادشاہ یہ بات خوب سمجھتا تھا کہ مغربی طریقے بھی کامیاب ہو سکتے ہیں اگر اُن کو مشرقی روایات سے پیوند کر دیا جائے اور یہی بات مشکل تھی نیز مغربی حکومتوں کی سی سپرٹ کہاں سے لاتا؟ آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ مغربی اصلاحات ایرانی مزاجوں کے موافق نہیں ہیں اور بات بھی درست تھی۔ ایران خود بھی کسی تبدیلی کے لئے تیار نہ تھا۔

جب مغربی نمائندوں نے دیکھا کہ بادشاہ ہمارے طور طریقے اپنے ملک میں آزمانا چاہتا ہے تو ہر ملک کے نمائندے اپنے اپنے ملک کے لئے مراعات حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھنے لگے اور وزراء کو رشوتیں پیش کرنی شروع کر دیں۔ بادشاہ ان تمام واقعات کو بڑے غور سے دیکھ کر دل ہی دل میں کُڑھتا تھا مگر کچھ کر نہ سکتا تھا۔ تاہم مغربی ممالک کے خلاف سخت نفرت اور حقارت کے جذبات اُس کے دل میں بھر گئے۔

"He found himself more and more involved in adverse circumstances, so fatal that they in-avitably over-wholmed his capacities and so he truly became a pathetic figure symbolizing in his person the destiny of his country" (P.P. 36)

(ترجمہ) اس نے اپنے آپ کو نہایت مہلک حالات سے گھرا ہؤا پایا جو اس کی طاقتوں سے بہت بالا تھیں۔ اس طرح وہ صحیح طور پر ایک قابلِ رحم ہستی بن کر رہ گیا اور اپنے وجود میں اپنے ملک کی مجسم قسمت بن گیا۔ ("ایران" ص ۳۶)

اس عالمِ مایوسی میں ایک دن آخر اس کی زبان سے یہ فقرہ نکل ہی گیا کہ "میں چاہتا تھا کہ ایک بھی یورپین سرزمین ایران میں قدم نہ رکھتا۔ اس صورت میں ہم ان تمام مصائب سے نجات پا سکتے تھے۔ مگر اب چونکہ انہوں نے یہاں قدم جما لئے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ ان کی تمام خوبیوں سے پورا فائدہ اٹھائیں"۔

شاہی خزانہ کی آمد بڑھانے کے لئے

بعض اشیاء کے ٹھیکے نیلام کئے جاتے تھے مگر ایسے مواقع پر بھی وزیر لوگ خوب کماتے تھے ظاہر ہے کہ ان ٹھیکوں کا نیلام بادشاہ کے لئے کسی نیکنامی کا باعث نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ۱۸۹۰ء میں تمباکو کی فصل کا نیلام سخت تکلیف دہ ثابت ہوا۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ ایران میں جس قدر تمباکو کاشت ہوتا وہ بادشاہ کی ذاتی ملکیت تصور ہوتا مگر حکومت نے ایک انگریز کمپنی کو ٹھیکہ دیدیا۔ عوام پہلے ہی نالاں تھے انہوں نے بغاوت کر دی۔ مجتہدین نے فتویٰ دیدیا کہ "قلیان کشیدن حرام است" کہ حقہ پینا حرام ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ بادشاہ سلامت کا حقہ بھرنے والے ملازمین نے بھی چلم بھر کر دینے سے صاف انکار کر دیا۔ ہر طرف بے چینی کے آثار دیکھ کر بادشاہ نے برٹش کمپنی کا ٹھیکہ منسوخ کر دیا مگر بنیا صفت انگریز کو اب چین کہاں؟ جھٹ ایرانی عدالتوں میں بادشاہ پر ۵ لاکھ پاؤنڈ حرجانہ کا دعویٰ کر دیا اور جھوٹی کو رشوت وغیرہ دے دلا کر ڈگری لے لی۔ اب بادشاہ حیران کہ اس قدر رقم کہاں سے ادا کرے؟ آخر امپیریل بنک آف ایران سے ۶ فی صدی شرح پر سودی روپیہ حاصل کیا اور کمپنی کو ادا کیا۔ ۱۸۹۶ء میں بادشاہ کو قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ مظفر الدین شاہ نے لی۔

نیا بادشاہ مظفر الدین شاہ روس کی طرف زیادہ مائل تھا اس نے خزانہ خالی دیکھ کر روس سے ۲ کروڑ ۲۵ لاکھ روبل (روسی سکہ) قرض لیا۔ دو سال کے بعد ایک کروڑ روبل مزید لے لیا۔ روس بھلا کونسا کم ساہوکار تھا اس نے قرضہ کی ضمانت کے طور پر شمالی ایران کے بہت سے صوبے اپنے نام لکھوا لئے۔ یہ تمام رقوم بادشاہ کی منظورِ نسل ہستیوں کے اور سفرِ یورپ کے کام آئیں، ملکی فائدہ کچھ بھی نہ ہوا۔

۱۹۰۱ء میں تاریخ ایران کا سب سے بڑا حادثہ پیش آیا یعنی حکومت نے ایک آسٹریلین نژاد انگریز ولیم ناکس ڈارسی کو سوا تین پانچ شمالی صوبوں کے تمام مملکت میں سے جہاں چاہے تیل نکالنے کیلئے ۶۰ سالہ پٹہ دیدیا۔ ۱۹۰۹ء میں ڈارسی نے اپنا ٹھیکہ حکومتِ انگلستان کے نام منتقل کر دیا۔ جس نے لنڈن میں ایک بہت بڑی کمپنی "اینگلو پرشین آئل کمپنی" بنا کر مسجدِ سلیمان میں کام شروع کر دیا۔ اس کمپنی نے ہر قدم پر حکومتِ ایران کو دھوکا دہی، فریب کاری، غلط حسابات پیش کر کے عظیم الشان نقصان پہنچایا۔ قصہ مختصر آخر کار ۱۹۵۱ء میں ڈاکٹر مصدق کی حکومت

نے انگلستان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تیل کی صنعت کو قومی تحفظ میں لے لیا اور انگریزوں سے ایکطرح نجات پائی۔ یہ بہت لمبا قصہ ہے اور انشاء اللہ کسی اور صحبت میں مفصل حالات پیش کئے جائیں گے۔)

جمال الدین افغانی کی تلقین کے زیر اثر ایرانی لوگوں کو یہ شوق ہوا کہ ہم بھی اپنے ملک میں مغربی جمہوریت کی طرز پر اصلاحات جاری کریں۔ چنانچہ بادشاہ سے مطالبہ کیا گیا کہ فوراً پارلیمنٹ (مجلس) بنائی جائے۔ نیز یہ بھی مطالبہ کیا کہ جو وزیر تم کو یورپ کے سیر سپاٹے کیلئے روپیہ فراہم کر کے دیتا ہے اُسے برطرف کر دیا جائے مگر بادشاہ نے مطلق توجہ نہ دی۔

ایرانی تاجروں کا طبقہ بھی بادشاہ کی غیر آئینی حکومت سے سخت نالاں تھا۔ ان کی تمام تجارت برباد ہو چکی تھی۔ سامان باہر سے آتا تو قبائلی لوگ لوٹ لیتے اور کوئی فریاد سننے والا نہ تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ :-

"The executive was powerless and order could only be maintained by foreigne troops and gendermry to aggravate the auarchy, the crown was non-existant

(P. 39)

(ترجمہ) انتظامیہ اس قدر مجبور ہو کر رہ گئی تھی کہ نظم و ضبط صرف غیر ملکی فوج اور پولیس کے ذریعہ ہی قائم رکھا جا سکتا تھا۔ طوائف الملوکی کا مقابلہ کرنے کے لئے تاج کی ہستی ہی موجود نہ تھی۔

("ایران" صفحہ ۳۹)

بادشاہ کے سرد رویہ سے تنگ آکر لوگوں نے ایران کی قدیم رسم کے مطابق تہران کے باہر بادشاہ عبد العظیم کی درگاہ میں "بست" یعنی وہاں پناہ لیکر بیٹھ گئے کہ ہماری بات بادشاہ مانے گا تو گھروں کو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ تجارتی کاروبار بالکل بند ہو گیا۔ لوگوں کو ضروریات زندگی میسر نہ آتی تھیں۔ تب بادشاہ نے اپنے ایک معتمد کو بھجوایا کہ تم گھروں کو جاؤ ہم انصاف کریں گے اور شکایات دور ہو جائیں گی مگر بقول آغا حشر کاشمیری بادشاہوں کے وعدے تو ؎

"ریت کی دیوار پر بنیاد ہے ہر بات کی"

ہوتے ہیں۔

اُدھر اتفاق سے سنہ ۱۹۰۶ء میں بادشاہ فالج سے سخت لاچار ہو گیا۔ لوگوں نے پھر مطالبہ کیا کہ وہ آپ کے وعدے کہاں گئے؟ اور پھر ایک دفعہ "بست" اختیار کی گئی۔ اس دفعہ کہاں؟ انگریزی

سفارت خانہ میں۔ بادشاہ کی گرتی ہوئی صحت دیکھ کر انگریزوں نے لوگوں کو پھر اُکسایا کہ اب موقعہ ہے مطالبہ تیز کر دو۔ ورنہ کیا ایرانیوں کو برٹش سفارت خانہ کے سوا کسی اور جگہ بست کے لئے جگہ نہ مل سکتی تھی؟۔ بادشاہ نے وفات سے قبل ایران کی پہلی مجلس (پارلیمنٹ) بلوا ہی لی۔

اس کا جانشین محمد علی شاہ قاچار سخت نالائق انسان تھا۔ وہ بادشاہ کم اور گھسیارا زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ بدقماش حاشیہ نشین فراہم کر لئے۔ دو تین دفعہ کوشش کی کہ ملکی آئین کو توڑ کر پھر سے شخصی حکومت قائم کرے۔ پہلے ۱۹۰۷ء میں اور پھر ۱۹۰۸ء میں جب زارِ روس نکولس ثانی نے اسے ترغیب دی کہ تم مجلس اور رعایا کو سختی سے کیوں نہیں دباتے۔ بادشاہ نے اس تجویز کے مطابق اپنی فوج ——— جمع کی مگر عوام بیدار ہو چکے تھے ڈٹ کر مقابلہ ہوا اور ایران کے مشہور طاقتور بختیاری قبیلہ کی مدد سے بادشاہ کو شکست دی۔ بادشاہ نے مغلوب ہو کر ۱۶ نومبر ۱۹۰۹ء کو تخت سے دستبرداری لکھ دی اور روس کے سفارت خانہ میں جا کر پناہ لے لی۔

امرائے سلطنت نے اُس کے ۱۲ سالہ بچے شاہ احمد شاہ قاچار کو تخت پر بٹھا دیا۔ مگر ایک بچہ اس بگڑی ہوئی حالت کو کیسے سنبھال سکتا تھا؟ روسی امداد سے ۱۹۱۱ء میں محمد علی شاہ نے ایک دفعہ پھر تاج و تخت واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ایک تو احمد شاہ بچہ ہی تھا دوسرے مصاحب سخت خراب مل گئے۔ اُس نوجوان کو عیاشی کا راستہ دکھانے لگے۔ چنانچہ اس کی صحت بگڑ گئی اور وہ اکتوبر ۱۹۲۳ء سے مستقل طور پر پیرس میں جا کر بیٹھ گیا۔ احمد شاہ کے متعلق ۱۹۲۵ء کے اخبارات میں سے فائل دیکھ لیں لکھا تھا کہ پیرس کی گلیوں میں خجل خوار اور گدھے سوار ہو کر مرا۔ کوئی اُس پر آنسو بہانے والا بھی نہ تھا۔ بھلے وقت کے تمام حواری بھاگ گئے۔ احمد شاہ کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

Ahmad Shah practically ruled over ruines and being infirm in health dis-interested in a task which exceeded his powers. (World History by Hayes Moon and Wayward: Mac Millan coy London)

(ترجمہ) احمد شاہ عملاً کھنڈروں پر حکومت کرتا تھا اور چونکہ کمزور صحت کا تھا وہ جلد ہی اپنے فرض سے اکتا گیا جو اسکی طاقت سے کہیں بڑھ کر تھا۔

ناظرین کو خوب اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حضرت امام الزمان

نوٹ: [illegible] کی تحریر کس شان سے پوری ہوئی [illegible]

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سفر کی یاد

(محترم مولوی عبد الرحمٰن صاحب انور۔ ربوہ)

مجھے تحریک جدید کا چارج لئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا اُن دنوں جب حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اپنی اراضی اور تحریک جدید کی اراضی کے معائنہ کے بعد کراچی تشریف لے گئے۔ ان دنوں حضورؓ کو غالباً گلے کی تکلیف تھی جس کے لئے ڈاکٹری مشورہ تھا کہ سمندر کی مرطوب ہوا اس کے لئے مفید ہے۔ چنانچہ حضورؓ عموماً عصر کے بعد کیماڑی سے منوڑہ کی طرف بادبانی کشتی پر سیر کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

پہلے دن ہی دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے ایک کارکن کے ساتھ مجھے بھی بادبانی کشتی کے انتظام کے لئے ارشاد ہوا۔ چونکہ حضورؓ کے ہمراہ حضورؓ کے اہلبیت اور بچیاں بھی ہوتی تھیں اور دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے کارکن اور پہرہ دار بھی ہوتے تھے۔ بادبانی کشتی میں مستورات کے بیٹھنے کے لئے علیحدہ باپردہ جگہ نہیں تھی۔ ہم احتیاطاً اپنے ساتھ کچھ چادریں لے گئے تھے خاکسار کو خیال آیا کہ درمیانی مستول سے جو ایک رسہ کشتی کے ایک سرے سے بندھا ہے اگر وہاں چادر کو سُوتی دھاگے سے سی کر باندھ دیا جاوے تو ایک طرف مرد بیٹھ سکتے ہیں اور دوسری جانب مستورات بیٹھ سکتی ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور جب حضورؓ تشریف لائے تو اس تجویز کو بہت پسند فرمایا اور آئندہ کے لئے یہ خدمت میرے ہی سپرد ہو گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

ایک دفعہ حضورؓ کا پروگرام سینڈ پیٹ یا شمس پیر کی طرف جانے کا ہوا۔ اُس وقت قافلہ میں حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب مرحوم سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ بھی تھے۔ حضورؓ اُن کا بہت احترام فرماتے تھے کیونکہ وقتاً فوقتاً حضورؓ اُن سے علمی مسائل بھی دریافت فرماتے تھے۔ جب سب احباب شمس پیر کے مقام پر کشتی سے اُترے تو حضورؓ کے ہمراہی خدام جن میں حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب مرحوم بھی تھے وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے کیونکہ سمندر کے کنارے کوئی اوٹ نہ تھی۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ مستورات کی طرف سے دونوں ہاتھوں میں مٹھائی کی ٹوکری اُٹھائے خدام کی طرف تشریف لا رہے ہیں قریب آ کر حضورؓ نے ٹوکری

ریت سے ذرا اوپر ہٹ کر پاؤں کے بل بیٹھ گئے اور حضرت مولوی محمد اسماعیل صاحب اور دیگر ہمراہیانِ قافلہ سے فرمایا کہ سب ارد گرد بیٹھ کر اس میں سے مٹھائی لے کر کھائیں۔ چنانچہ سب احباب اس دعوت سے مستفیض ہوئے۔ چونکہ ریت خشک تھی جب ایک مرتبہ تیز ہوا چلی تو اس کی وجہ سے کچھ ریت اُڑ کر مٹھائی کی ٹوکری میں بھی گری تو حضورؓ نے فرمایا اب مٹھائی کھانے کا مزا نہیں رہا۔ یہ رہی ٹوکری جس کا جی چاہے کھالے جس کا جی نہ چاہے نہ کھائے اور حضورؓ کافی دیر تک احباب سے مصروفِ گفتگو رہے۔

جب احباب مٹھائی کھانے سے فارغ ہوئے تو احباب نے ہاتھوں کی چکناہٹ دُور کرنے کے لئے سمندر کے پانی سے ہاتھ دھوئے بعض نے بے ساختہ اس پانی سے کُلی بھی کی تاکہ مُنہ کی چکناہٹ دُور ہو۔ لیکن سمندر کے کڑوے پانی نے مُنہ کا ذائقہ بھی کڑوا کر دیا۔ حضور نے فرمایا ہم تو لوٹے میں میٹھا پانی ساتھ لائے تھے اسلئے ہمارے منہ کا مزا تو خراب نہیں ہوا۔

جب شام کے بعد واپس ہوئے تو چاند ابھی نہیں نکلا تھا۔ ایک جگہ کشتی پانی کم گہرا ہونے کی وجہ سے پھنس گئی۔ ملاحوں نے نیچے پانی میں اُتر کر بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر انہوں نے کہا کہ چاند کے طلوع ہونے پر پانی کا جوار بھاٹا آئے گا تو پانی گہرا ہوگا پھر کشتی چل سکے گی۔ چنانچہ انتظار کرنا پڑا۔ وہاں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں کثرت سے ایسی تھیں جو پانی سے چھلانگ لگا کر کشتی میں آ پڑتی تھیں۔ ہلکی روشنی میں ان کے نظارے سے حضورؓ محظوظ ہوئے اور جب پانی بلند ہوا تو واپس کیماڑی پہنچے۔

اس سفر میں حضورؓ کا اپنے خدام کی دلجوئی کی خاطر دُور سے تشریف لانا اور دُور اندیشی کے خیال سے میٹھے پانی کا انتظام بھی کر کے آنا یہ امور خاص قابلِ توجہ ہیں۔ اور جب خشک ریت پر بیٹھنے کی وجہ سے پاؤں کے ہلنے سے ریت ہوا سے اُڑتی جو سمندر کی طرف سے آ رہی تھی تو حضورؓ نے فرمایا کہ ہم نے یہ احتیاط تو کی کپڑے گیلے نہ ہو جائیں اور خشک ریت پر بیٹھے لیکن یہ امر اوجھل رہا کہ اگر گیلی ریت پر بیٹھتے تو ہوا سے وہ ریت نہ اُڑتی اور نہ ہماری مٹھائی خراب ہوتی۔ بہرحال ہر چھوٹے واقعہ میں بھی حضور کے ارشادات حضورؓ کی خاص شخصیت کے آئینہ دار ہیں۔

اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ آلِ محمدٍ وعلیٰ عبدک المسیح الموعود وعلی المصلح الموعود +

شکاریات

(مکرم صوبیدار عبد الجلیل صاحب)

اس دنیا کے پردۂ سیمیں پر کروڑہا انسان و دیگر مخلوقات اپنا اپنا کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ پرانے اداکار اوجھل ہوتے نئے آگئے اور کھیل جاری ہے۔ کوئی انسانی جانوں سے کھیلتا رہا اور کوئی مال و زر سے، کسی نے دوسرے حیوانات اور چرند و پرند کی جانوں سے کھیل کر دل بہلایا اور اس کھیل کو شکار کا نام دیا گیا۔

شکار کا کھیل قرونِ اولیٰ سے چلا آرہا ہے اُس وقت یہ پیٹ پالنے کا اہم ذریعہ تھا مگر بعد میں تفریح اور دل بہلانے کا ذریعہ بن گیا۔ حقیقتاً یہ کھیل دُنیا کے دوسرے کھیل تماشوں سے افضل ہے۔ اس میں ورزش، علم جغرافیہ، سیر و تفریح اور دفاعی تربیت بخوبی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان دوسرے جانوروں کے اطوار و عادات اور رہن سہن سے واقف ہو کر دُنیائے بائیالوجی میں گراں قدر معلومات کے اضافے کا موجب بنتا ہے۔ اسی لئے مجھے دیگر کھیلوں کی نسبت شکار سے بہت لگاؤ تھا۔

سنہ ۱۹۳۹ء کی جنگ عظیم زوروں پر تھی۔ انگریزوں نے فیض آباد (یو۔پی) میں ایک انفنٹری سکول کھولا جس کا مقصد برصغیر ہند کے فوجیوں کو تربیت دے کر افسر یا عہدیدار بنانا تھا اس فوجی سکول میں ہر نسل، ہر قوم اور برصغیر کے تقریباً ہر علاقے کے افراد ٹریننگ لیتے تھے جن میں برمی، بنگالی، مدراسی، مہاراشٹری، مرہٹے، پنجابی اور پٹھان شامل تھے۔ مجھے اس سکول میں بطور انسٹرکٹر مقرر کیا گیا تھا۔ فوجیوں کو جنگل کی ٹریننگ دینے کا مضمون ایک ضروری امر تھا۔

پروگرام کے مطابق ہم جب کبھی جنگل کی ٹریننگ کے لئے جایا کرتے تو قدرتی مناظر دعوتِ نظارہ دیتے اور ذہن رُو خود بخود ذاتِ باری تعالےٰ کی حمد و ثنا میں مشغول ہو جاتی۔ اس عالم میں ہم دیدۂ حیرت سے اُن قدرتی مناظر کا نظارہ کرتے اور بہت لطف اندوز ہوتے۔

ریاست نیپال کی سرحد پر بہت گھنا جنگل
تھا۔ اس جنگل میں ہمیں اکثر ہرن کلیلیں کرتے، نیل گاؤ
کے ریوڑ چرتے، چیتل کودتے اور بارہ سنگے و
پہاڑ سنگے مستانہ وار اٹھکیلیاں کرتے نظر آتے
تھے۔ ان خوبصورت جانوروں کے علاوہ وہاں بڑے
ہی دیدہ زیب طیور چہچہاتے اور ثنائے رب
جلیل کرتے اپنے اپنے فکر و کار میں مشغول نظر آتے۔
اس آزاد دنیا میں جانے والا شخص ہریل، جنگلی
مرغ، مرغابی، سرخاب، تیتر، بٹیر، بلسی، چکور
اور موروں کے خوبصورت غولوں سے لطف اندوز
ہوتا تھا۔ ان پیارے پرند و چرند کے علاوہ وہاں
جابر و خونخوار جانور بھی بکثرت تھے جن میں جنگل
کا بادشاہ شیر، تیز طرار چیتا، بھورا ریچھ، خونی
بھیڑیا اور دیو پیکر اژدھے عام تھے۔ ان کے
علاوہ بندر، لنگور اور بن مانس بھی اکثر ظرافت
کی چاشنی پیش کرتے جنہیں دیکھ کر غمگین چہرے
بھی مسکرا اٹھتے تھے۔

دریائے "کاگرہ" جسے ہندو "سرجو ماتا"
کہتے ہیں مست ناگن کی طرح بل کھاتا ہوا ہماری
بیرکوں کے دامن سے گزرتا تھا۔ یہ دریا بھی دریائے
گنگا کی طرح اہلِ ہنود کے نزدیک بہت مقدس
ہے۔ ہندو اپنے مردے اسی دریا میں پھینکتے تھے۔
ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جو مردہ اس دریا میں پہنچ گیا
وہ بخشا گیا۔ اسی لئے اس دریا میں مگرمچھ، کچھوے
اور مچھلیاں بکثرت ہوتی تھیں۔ وہاں کے محکمہ
حفظانِ صحت نے اجودھیا (فیض آباد) کے علاقے
میں گیدڑ اور گدھوں کا مارنا ممنوع قرار دیا تھا تاکہ
دریا سے باہر پڑی ہوئی لاشوں کو یہ جانور سنبھال
سکیں۔

مچھلی کے شکار کے شائقین اس دریا میں
خوب شوق پورا کرتے تھے۔ ایک دن ہمارے
دو شائقین افسر مچھلی کے شکار سے لطف اندوز
ہو رہے تھے دریا کے بادشاہ مگرمچھ کو اپنی رعایا
کے ساتھ یہ زیادتی ناگوار گزری کہ ابن آدم ہمارے
ذخیرہ خوراک پر ڈاکہ زنی کر رہا ہے۔ اس پر اس
نے سزا کے لئے ایک صاحب کو ٹانگوں سے گھسیٹ
حلق کی عدالت میں فیصلہ سنا کر پیٹ کی کال کوٹھڑی
میں قید کر دیا۔ دوسرے افسر نے جب یہ عالم
دیکھا تو خوف و ہراس سے زرد چہرہ لئے سر پر
پاؤں رکھ کر واپس بھاگا اور ہمیں اس المیہ سے
آگاہ کیا۔ ہماری یونٹ نے فوراً ہی بچاؤ کی سینکڑوں
تدبیریں کیں۔ دریا میں جال پھینکے گئے تجربہ کار ملاح
کشتیاں لے کر دریا میں اتار لئے گئے مگر کوئی لقمۂ
اجل کو واپس نہ لا سکا۔ صرف پیٹ کا کچھ حصہ
مرحوم کی نشانی کے طور پر ملا۔

دوسرا حادثہ ہمارے ایک ہندو گڑھوالی
نائب صوبیدار کے ساتھ پیش آیا۔ یہ صاحب
سرجو ماتا میں اشنان کرنے گئے تو دریا کے بادشاہ
کو یہ بھی ناگوار گزرا، ان کو مجرم قرار دے کر سزائے
موت کے لئے ہڑپ کر لیا۔

اِن دونوں حادثات کی وجہ سے ہم سب میں غم و غصّہ کی لہر دَوڑ گئی اور میرے ذہن نے اِن دردناک واقعات کے تمام اجزاء کا تصوّر ذہن نشین کر لیا۔ شکاری تو مَیں پہلے ہی مشہور تھا کیونکہ اکثر فرصت کے وقت فیض آباد کے علاقہ میں جا کر شکار کھیلتا تھا۔ اس طرح میری شہرت افسرانِ بالا تک پہنچ گئی تھی اور کمانڈنگ آفیسر نے میرے لئے ایک رائفل اور گاڑی کا انتظام بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ مَیں روزانہ دوسرے پرندوں کے علاوہ نیل گائے اور بارہ سنگے شکار کر کے لے آتا تھا۔ مَیں نے یہ سب شکار فراموش کر دیئے اور بیان کردہ حادثوں کی انتقامی کارروائی یعنی مگرمچھ کو ختم کرنے کا مصمّم ارادہ کر لیا۔

ایک روز مَیں اور ایک انگریز میجر صاحب ایک ملٹری ٹرک لے کر اِس مشن پر روانہ ہوئے۔ ہمارے ساتھ کچھ دیہاتی رضاکارانہ طور پر ہو لئے یہ لوگ اس علاقہ سے خوب واقف تھے۔ انہیں مگرمچھ کی جائے رہائش اور باہر بیٹھنے کی جگہ کا علم تھا۔ یہ لوگ اپنی اور مویشیوں کی جانیں بچانے کے لئے حفاظتی تدابیر کرتے اور ان خطرناک جگہوں سے دُور رہتے تھے۔ سفر کے دَوران انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ایک سو مادہ مگرمچھ کے ساتھ ایک بڑا نر مگرمچھ ہوتا ہے اور یہی زیادہ مہلک ہوتا ہے۔

آخر ہمارا ٹرک ایک گاؤں کے قریب رُکا۔ ہم سب نیچے اُترے۔ مَیں اور انگریز افسر نے تبادلۂ خیالات کیا اور مگرمچھ پر حملہ کرنے کی سکیم بنائی۔ پھر آہستہ آہستہ اُن رہبروں کے بتائے ہوئے مقام تک پہنچے اور اس کا جائزہ لیا۔ ہمارے سامنے گھنے درختوں اور جھاڑیوں کے جھنڈ تھے اور نیچے دریا کا گہرا نیلا پانی تھا۔ فضا خاموش اور پُرسکون تھی۔ آخر ہم ایک گھات میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ چند ہی لمحوں بعد دیو ہیکل مگرمچھ پانی سے نمودار ہونا شروع ہُوا۔ اُس کا مُنہ پُورے جسم کا آدھا تھا اور آرے کی طرح لمبے لمبے دانتوں کی لائن جڑی ہوئی تھی۔ اُس کی آنکھیں سر کے اُوپر تھیں اور دُم کا بالائی حصّہ تیز تلوار کی دھار کی طرح تھا۔ اس خوفناک درندے نے پانی سے نکلتے ہی مُنہ اُوپر کر کے ایک دہشت ناک پھنکار ماری اور لمبا سانس لیا پھر کنارے پر آرام سے بیٹھ گیا۔ اِس لیڈر کے بعد باقی مگرمچھ بھی پانی سے باہر آنے شروع ہو گئے۔ ان کی تعداد اَن گنت تھی۔ آخر میں سب سے چھوٹا مگرمچھ باہر آیا۔

شکار کو دیکھ کر میرے اندر شکاری کا ولولہ اور اضطراب پیدا ہُوا۔ ہم دونوں نے ۳۰۳ کی رائفلیں تان کر ایک مخصوص اشارہ سے بیک وقت بڑے مگرمچھ پر فائر کئے۔ خاموش فضا دندنا اٹھی اور دوسرے ہی لمحے سب مگرمچھ دھڑام دھڑام

پانی میں اُتر گئے۔ دریا کی لہریں دُور دُور تک پھیل گئیں۔ جس مگرمچھ پر ہم نے فائر کئے تھے وہ بڑی ٹھاٹھ سے بخیریت تمام پانی میں چلا گیا شاید اس کو خراش تک بھی نہیں آئی تھی۔

ہمیں اپنی ناکامی پر شرمندگی اور تشویش ہوئی۔ ہم گہری سوچ میں پڑ گئے کہ ہم نے فائر بھی ٹھیک کئے، مگرمچھ بھی نزدیک تھا، ہمارا نشانہ کبھی خطا بھی نہیں گیا نہ معلوم کیا وجہ ہے کہ شکار بچ گیا؟ ہم اسی فکر میں تھے کہ ایک بوڑھا دیہاتی آ پہنچا۔ اُس نے یہ انکشاف کیا کہ اس کا جسم بہت سخت ہوتا ہے اس پر گولی تو کجا راکٹ بھی بے اثر ہو جاتا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ جب تک گولی اسے گلے میں نہ لگے یہ نہیں مرتا۔ اس کے بعد ہمیں اصل راز معلوم ہو گیا۔

اب ہم نئی امنگیں لیکر علیحدہ علیحدہ پھر چل پڑے۔ میرے ساتھی انگریز افسر کے ساتھ سب دیہاتی ہو لئے اور میرے ساتھ صرف ایک گڈریا لڑکا جو اسی علاقہ کا تھا چل پڑا۔ یہ گڈریا اپنی زبان میں مگرمچھ کو "گوئی" کہہ کر پکارتا تھا۔ تھوڑی دور چل کر ہم پھر دریا کے کنارے ایک گھنے درختوں کے جھرمٹ میں پہنچے۔ اُس لڑکے نے بتایا کہ یہاں ایک "گوئی" جو بہت خونخوار اور مکار ہے رہتا ہے۔ ہمارے علاقے میں اس کی دہشت پھیلی ہوئی ہے۔ وہ کئی جانوروں اور قیمتی جانوں کو ہڑپ کر چکا ہے۔ میں بڑی احتیاط سے ایک گھات میں چھپ کر بیٹھ گیا اور بے چینی سے مشہور "گوئی" کا انتظار کرنے لگا۔

چند ہی لمحے گزرے تھے کہ گہرے نیلے پانی سے ۲۲ فٹ لمبا اور بہت موٹا ایک مگرمچھ نمودار ہوا۔ پھر آہستہ آہستہ مکارانہ چال سے دریا کے کنارے لمبی لمبی گھاس میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ وہ شاید کسی شکار کی تلاش میں گھات لگا بیٹھا تھا کہ جونہی کوئی جانور دریا میں پیاس بجھانے آئے گا میں اپنی پیاس اُس کے خون سے بجھاؤں گا۔ پھر مکاری سے اُس نے آنکھیں بند کر لیں جیسے آرام فرما رہا ہے۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ یہاں سے تقریباً ۱۰۰ گز کے فاصلے پر ایک اور شکاری خود اس کی گھات میں بیٹھا ہے۔

میں نے دل کی دھڑکنوں کو قابو میں رکھتے ہوئے اپنی ۳۰۳ رائفل کو ایک درخت کا سہارا دیا۔ سانس روکا اور مگرمچھ کی گردن پر ریپیٹڈ فائر کر دئیے۔ میرا نشانہ کارگر رہا اور خونخوار جانور تڑپ تڑپ کر دُم گھمانے لگا اور اُلٹا ہو گیا۔

اس کامیابی پر میں خوشی اور جوش سے شکار کی طرف دوڑا۔ اتنے میں دُور سے ایک آواز گونجی کہ "صوبیدار بابو رُک جاؤ! زخمی گوئی زندہ گوئی سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔" میں نے یہ آواز سُنی اور فوراً رُک گیا اور صدا دینے والے کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ میرا ساتھی انگریز اور اس کے ہمرکاب ساتھی تھے، جو فائر کی آواز سُن کر دوڑ پڑے تھے جب وہ میرے قریب پہنچ گئے تو میں نے پوچھا کہ "زخمی گوئی زندہ گوئی سے کس طرح خطرناک ہوتا ہے؟" انہوں نے جواب دیا کہ مگرمچھ اپنی دُم (باقی صفحہ ۳۶ پر)

مرسلہ صفی الرحمٰن خورشید

دنیا کا عظیم ترین مینار

قدیم زمانے میں اونچے مینار بنانے کا شوق بڑا عام تھا مگر موجودہ زمانے میں یہ رواج کم ہے۔ تاہم سنہ ۱۹۶۷ء میں روس میں ایک مینار تعمیر کیا گیا اس مینار کی اونچائی ۲۴۰۰ فٹ ہے۔ اور اس کو دنیا کا سب سے اونچا مینار تسلیم کیا گیا ہے۔ اس مینار کی تعمیر اس طور پر کی گئی ہے کہ تند و تیز ہوا بھی اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس مینار کی نچلی منزلوں میں ٹی۔ وی سٹیشن قائم ہے۔ اس کے اوپر گول سا حصہ نظر آتا ہے۔ یہ ایک وسیع ہوٹل ہے۔ اس کی اوپر والی منزلوں میں ٹی۔ وی کی بھاری مشینری نصب ہے۔ سب سے اوپر والا حصہ ہر وقت آہستہ آہستہ گھومتا رہتا ہے اور تقریباً ایک گھنٹہ میں ایک چکر مکمل کر لیتا ہے جس کی وجہ سے ہوٹل میں بیٹھنے والے دور دور تک پھیلے ہوئے دلکش مناظر سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ اس ہوٹل میں تقریباً دو سو افراد ایک وقت میں بیٹھ سکتے ہیں۔ اس مینار میں ڈبل لفٹ سسٹم بھی نصب ہے۔

اس مینار کی تعمیر کا مقصد محض عیاشی نہیں بلکہ ملک کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرنا ہے۔ یہ مینار ٹی۔ وی کا مینار ہے جس کو ٹی۔ وی سسٹم کی ترقی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ (منقول)

مرسلہ۔ محمد عمر دراز تنویر۔ لائلپور

کیا آپ جانتے ہیں؟ کہ

- شہد کی مکھی کی پانچ آنکھیں اور پانچ ہزار نتھنے ہوتے ہیں۔
- اس کے پر ایک منٹ میں گیارہ ہزار چار سو مرتبہ کپکپاتے ہیں۔
- اسے ایک پاؤنڈ شہد جمع کرنے کے لئے پچاس ہزار میل کا سفر کرنا پڑتا ہے۔
- اس کے ڈنک کو حرکت دینے کے لئے بائیس اعضاء کام کرتے ہیں۔
- شہد کی مکھی قوتِ سامعہ سے محروم ہوتی ہے۔
- دنیا کا پہلا باقاعدہ لفافہ سنہ ۱۸۴۰ء میں پوسٹ آفس کے ذریعہ جاری کیا گیا جس کا نام "مل ریڈی" (Mill Ready) تھا۔
- ٹکیٹرون ۱۹۶۱ء دنیا کی وہ پہلی فلیش لائٹ ہے جس میں ایک زرد گول فلٹر چہروں کو ان کے قدرتی رنگ و روپ میں برقرار رکھنے کے لئے لگا ہوا ہے۔
- گھنی بھویں ذہین اور محنتی کردار کی غمازی کرتی ہیں۔
- ہلکی بھویں مضبوط کردار کی غمازی کرتی ہیں۔
- خمیدہ بھویں انتہائی نازک مزاج، احساس اور جذباتی شخصیت کی عکاسی کرتی ہیں۔

رفیق احمد طاہر سرگودھا شہر

پودے بھی جان رکھتے ہیں ۔۔۔!

پودے بظاہر ہمیں بے جان نظر آتے ہیں لیکن علم حیوانات اور نباتات کے ماہرین (Zoologists & Botanists) انہیں جانداروں کے زمرے میں شامل کرتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ بنیادی صفات کے لحاظ سے پودے (Plants) بھی جانداروں کے اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جس میں انسان اور دوسرے حیوانات (Animals) چوپائے اور پرندے وغیرہ شامل ہیں۔ سانس لینا، کھانا پینا، بڑھنا پھولنا، مرنا، حرکت کرنا، غیر ضروری مادوں سے نجات حاصل کرنا وغیرہ ایسے امور ہیں جو ہماری طرح پودوں میں بھی پائے جاتے ہیں کسی قدر تفصیل ملاحظہ ہو:۔

۱۔ سانس لینا (Respiration):۔
ہماری طرح پودے بھی سانس لیتے ہیں ہم سانس لیتے وقت آکسیجن اندر لیجاتے اور کاربن ڈائی آکسائڈ خارج کرتے ہیں۔
پودے پتوں کے ذریعے سانس لیتے ہیں۔ پتوں میں مسام پائے جاتے ہیں جن سے وہ کاربن ڈائی آکسائڈ جذب کرتے اور آکسیجن گیس خارج کرتے ہیں۔

۲۔ حرکت کرنا (Movement):۔
اکثر پودے زمین میں ایک ہی جگہ مستقل طور پر قائم رہتے ہیں لیکن بعض ایسے چھوٹے چھوٹے پودے بھی موجود ہیں جو ہماری طرح حرکت کر سکتے ہیں۔ مثلاً الجی (Algae) ایسا پودا ہے جو آسانی سے پانی میں تیر سکتا ہے۔ برخلاف اس کے حیوانوں (Animals) میں بعض ایسے بھی ہیں جو زندگی بھر ایک ہی جگہ ٹھہرے رہتے ہیں مثلاً سپانجز (Sponges) سمندری انیمون (Sea Anemone) اور کارل وغیرہ۔

۳۔ خوراک (Food):۔
پودے زمین سے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ جو مختلف قسم کے نمکیات، گیسوں، پانی اور معدنیات پر مشتمل ہوتی ہے۔
انسان اپنی خوراک جانوروں کے

گوشت کے علاوہ پودوں سے حاصل کرتا ہے۔ ہم سبزیوں اور پھلوں کی صورت میں پودے کھاتے اور ان کی تیار کردہ خوراک سے استفادہ کرتے ہیں۔ بعض پودے بھی ایسے ہیں جو ہماری طرح کیڑوں مکوڑوں کی صورت میں گوشت کھاتے ہیں۔

۴۔ شکل و شباہت (Shape):۔
تقریباً ہر پودہ متعدد شاخیں رکھتا ہے لیکن پامز (Palms) ایسا پودا ہے جو ہماری طرح ٹہنیوں سے محروم ہے۔ حیوانات عموماً شاخوں کے بغیر ہوتے ہیں۔ لیکن کارل (Coral) ایک ایسا حیوان ہے جو بالکل پودوں کی طرح شاخیں رکھتا ہے۔

۵۔ نشوونما (Growth)
ہر جاندار جس میں حیوان اور پودے (Animals & Plants) دونوں شامل ہیں، کا جسم خلیوں (Cells) پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور قدرت نے ہر جاندار میں ایسا نظام رکھا ہے کہ ہر خلیہ خاص مدت کے بعد خود بخود دو خلیوں میں منقسم ہو جاتا ہے اس طرح ہر جاندار کا جسم خواہ وہ پودا ہو یا انسان بڑھتا ہے۔

۶۔ احساس (Irritability):۔
پودے بھی ہماری طرح حساس ہوتے ہیں وہ خود ہی دھوپ اور چھاؤں سے ضرورت کے مطابق حفاظت کر سکتے ہیں بعض پودے ایسے ہیں کہ اگر ہم انہیں چھولیں تو وہ مخالف سمت میں خود بخود جھک جاتے ہیں۔ ایک پودا جسے لوگ عموماً مترم بوٹی کہتے ہیں اگر اسے مس کریں تو اس کی پتیاں خود بخود بند ہو جاتی ہیں۔

نوٹ:۔ سائنسدان انسانوں کو بھی حیوانات (Animals) کے گروہ میں شامل کرتے ہیں اسلئے جہاں بھی Animals کا ذکر آیا ہے اس میں انسان بھی شامل ہیں ۔

مگرمچھ کا شکار (بقیہ صفحہ ۳۲)

اتنی زور سے مارتا ہے کہ آدمی کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے۔ یہ سُن کر میرے جسم میں ایک جھرجھری سی آگئی۔ مَیں نے ٹھنڈی سانس لی اور شکر کے کلمات پڑھنے لگا۔
اتنی دیر میں مگرمچھ ملکِ عدم کو جا چکا تھا۔ ہم سب نے مل کر اس ۲۲ فٹ لمبے اور بھاری جانور کو ٹرک پر لادا اور خوشی خوشی واپس فیض آباد پہنچ گئے۔

اس کارکردگی سے صوبیدار بابو کی شہرت و عزت فیض آباد کے علاقہ میں دوبالا ہو گئی۔
(مرسلہ مکرم نسیم احمد صدیقی صاحب)

ا-ح-ک

مجالس کی دوڑ

مجلس خدام الاحمدیہ کوپن ہیگن (ڈنمارک) کا یوم تبلیغ

چند مجالس کی کارگزاری کا خلاصہ پیش خدمت ہے ——— (ادارہ)

رپورٹ کارگزاری مجلس خدام الاحمدیہ کوپن ہیگن

شعبہ اعتماد

دو اجلاس مجلس عاملہ اور دو مجلس عامہ کے منعقد ہوئے۔ اجلاس عام میں خدام کی تعداد ۲۵ تک رہی مجلس عاملہ کے اجلاس میں عید الفطر کے انتظامات اور یوم تبلیغ کے بارہ میں اہم فیصلے کئے گئے۔

شعبہ تجنید

خدام کی تعداد ۲۹ سے ۳۴ ہوگئی۔ تمام خدام کی فہرست مرکز کو بھیجی گئی۔

اصلاح و ارشاد

ہر اتوار کو دو بجے بعد دوپہر تقریباً سوا گھنٹے کے لئے اجلاس منعقد ہوتے رہے جن میں خدام نے اہم تربیتی موضوعات پر تقاریر کیں۔ خدام کی حاضری بیس تک رہی۔

یوم تبلیغ

۲ صلح (جنوری) کو ساڑھے دس بجے خدام مشن ہاؤس میں جمع ہوئے۔ دو دو خدام نے گیارہ حزب بنا کر ڈینش زبان میں لٹریچر جو تقریباً ۸۰۰ کی تعداد پر مشتمل تھا خدام کو دیا گیا۔ تمام خدام بارہ بجے سے تین بجے تک یہ تبلیغی فریضہ سرانجام دیتے رہے جبکہ سردی کا یہ عالم تھا کہ ٹمپریچر نقطۂ انجماد سے آٹھ درجے گرا ہوا تھا۔ لیکن یہ سردی خدام کے جوش و خروش کو سرد نہ کر سکی۔ اور یہ مجاہدان کے لئے روحانی غذا کا سامان مہیا کرتے رہے۔

شعبہ مال

عرصہ دو ماہ میں K.R. ۸۸۰ (تقریباً ایک ہزار روپے) برائے چندہ مجلس اور ایوان محمود جمع کئے گئے۔ نیز نصرت جہاں ریزرو فنڈ کے لئے خدام نے K.R. ۴۰۰۰ کے وعدہ جات کئے۔

خدمت خلق

تقریباً K.R. ۵۰۰۰ بطور قرض حسنہ دیئے گئے۔

شعبہ عمومی، وقار عمل

عید الفطر کے موقع پر ۷۰۰ مسلمانوں نے نماز عید

ادا کی۔ اس موقعہ پر ۲۰ خدام نے ڈیوٹیاں ادا کیں۔ شام کو تمام جماعت کا ڈنر تھا۔ ڈنر کے بعد خدام نے وقارِ عمل کیا۔

اشاعت

"POLITECON" (جو وہاں کا مشہور اخبار ہے) کے اخباری نمائندہ نے مکرم عبد الباری صاحب احمدی ناظم اصلاح و ارشاد کا رمضان سے متعلق انٹرویو لیا اور پھر ان کی تصاویر بحالت ادائیگی نماز اور انٹرویو کی تمام کارگزاری شائع کی۔

مجلس خدام الاحمدیہ لائلپور شہر و چک ۱۲۱ ج ب گوکھووال کے قابلِ تقلید وقارِ عمل

۵ اصلح (جنوری) بعد نماز جمعہ مجلس خدام الاحمدیہ لائلپور شہر نے جھال خانوانہ کی سڑک پر وقارِ عمل منایا جس میں ۸۰ خدام اور ۱۶ اطفال نے شرکت کی۔ خدام کو دو حزبوں میں تقسیم کرنے اور پھر باہم مقابلہ کی صورت پیدا کرنے کی وجہ سے کام جلد اور احسن طریق پر سرانجام پا گیا۔

۱۰ اصلح (جنوری) کو مجلس خدام الاحمدیہ چک ۱۲۱ ج ب گوکھووال کے وقارِ عمل میں ۱۲ خدام شریک ہوئے۔ مسجد کے نئے اور پختہ کمرے کی تعمیر کے سلسلہ میں کچے کمرہ کو گرایا اور اس کا ملبہ ہٹایا۔ یہ وقارِ عمل ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔

تصویری تبلیغی نمائش!

جماعت احمدیہ کے ۷۹ ویں جلسہ سالانہ کے موقع پر ربوہ میں مجلس خدام الاحمدیہ ڈرگ روڈ کی جانب سے اس سال بھی "ایوانِ محمود" میں ایک "تصویری تبلیغی نمائش" پیش کی گئی۔ نمائش کا افتتاح مورخہ ۲۶ر دسمبر کو محترم پروفیسر چوہدری حمید اللہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ نے فرمایا۔ نمائش دیکھنے کے بعد اپنے تاثرات آپ نے ان الفاظ میں تحریر فرمائے:۔

"میں نے آج مجلس ڈرگ روڈ کی ترتیب کردہ نمائش دیکھی۔ خدا تعالیٰ اس نمائش کو بہت برکت دے اور جماعت کی مساعی اور تاریخ کو تصویری زبان میں دیکھ کر ہمارے اندر حقیقی روحِ عمل بیدار ہو جو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی باعث بنے۔"

یہ نمائش چار روز جاری رہی اور تقریباً ۸ ہزار مردوں اور عورتوں نے اسے دیکھا۔

(شمس الدین التمش معتمد و ناظم اطفال مجلس ڈرگ روڈ۔ نامہ نگار خصوصی برائے "خالد")

مجلس خدام الاحمدیہ مقامی ربوہ کا مثالی اجتماعی وقار عمل

ربوہ کے ۹۱۰ خدام کے علاوہ صدر محترم مجلس مرکزیہ اور بعض انصار بزرگوں کی شمولیت

مجلس خدام الاحمدیہ مقامی ربوہ کے زیر اہتمام مورخہ ۱۹ ؍ تبلیغ بروز جمعۃ المبارک صبح ساڑھے سات بجے محلہ دارالبرکات کے جنوبی اور دارالعلوم غربی کے شمال مغربی کونہ پر واقع سڑک پر ایک مثالی اجتماعی وقار عمل منایا گیا جس میں ربوہ کے چوبیس (۲۴) حلقہ جات کے ۹۱۰ خدام کے علاوہ مجلس ربوہ کے اطفال اور بعض انصار بزرگان نے بھی شرکت فرمائی۔ سڑک کو ہر حلقہ کے خدام کی تعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر مجلس کے کام کرنے کی جگہ پر بورڈ آویزاں کر دیئے گئے تھے۔ خدام وقت سے پہلے ہی پہنچنا شروع ہو گئے۔ اُن میں صدر محترم بھی شامل ہیں جو وقت سے پہلے پہنچ گئے

لمبائی سڑک	۴۳۶ فٹ
چوڑائی ،،	۲۰ فٹ
اونچائی ،،	۱½ فٹ تا ۲ فٹ
مٹی جو ڈالی گئی	۱۵۰۰ مکعب فٹ
شمولیت خدام	۹۱۰
وقت جو صرف ہوا	دو گھنٹے

خدام میں مسابقت کی رُوح پیدا کرنے کے لئے اوّل، دوم اور سوم آنے والی مجالس کے لئے انعام کا اعلان کر دیا گیا تھا۔

چنانچہ پونے آٹھ بجے سے پہلے ہی سب خدام اپنے اپنے زعماء اور بلاک لیڈر صاحبان کی سرکردگی میں وقار عمل میں مصروف ہو گئے محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ اپنے محلہ دارالصدر جنوبی کے خدام کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے۔ وقار عمل کے دوران مجلس ربوہ کے اطفال بھی اپنے اجلاسِ عام سے فارغ ہو کر وقار عمل میں آ شامل ہوئے۔ ان بچوں نے بالٹیاں بھر بھر کر سڑک پر چھڑکاؤ کیا اور سڑک کی کوٹائی کی۔ یہ وقار عمل دو گھنٹے تک جاری رہا جو خدام نے بڑی ہمت، جوش اور ولولہ کے ساتھ پورے نظم و ضبط کے ساتھ سرانجام دیا۔ اور جن حلقہ جات نے اپنا کام جلد ختم کر لیا انہوں نے دوسرے حلقہ جات کے خدام کا ہاتھ بٹایا۔

وقار عمل کے اختتام پر تمام خدام و اطفال جمع ہو گئے اور ایک مختصر سا اجلاس ہوا جو تلاوت قرآن پاک سے شروع ہوا۔ تلاوت مکرم مبارک مصلح الدین احمد صاحب مہتمم مقامی مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ نے کی۔ بعدہٗ مکرم چوہدری شبیر احمد صاحب نے جو نظم وقار عمل کو دیکھ کر لکھی تھی پڑھ کر سنائی۔ بعد ازاں صدر مجلس نے چندہ کی وصولی کے لحاظ سے اوّل، دوم اور سوم آنے والی مجالس کو انعامات تقسیم فرمائے اور حسب فیصلہ منصفین مجلس ہوسٹل جامعہ احمدیہ، دارالنصر شرقی اور دارالعلوم غربی کے بالترتیب اوّل، دوم اور سوم آنے کا اعلان فرمایا۔ عہد اور دُعا کے بعد خدام کو رخصت دی گئی۔

محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا دورہ ضلع جہلم

(بقیہ از صفحہ)

ہے۔ نیز جماعت کے نوجوان کو اس رنگ میں سنبھالا جائے اور ان کی تعلیم اور تربیت کی جائے کہ وہ اپنے وقت پر جماعت کا بوجھ پوری طرح اٹھالیں۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام ہمیشہ اپنی زندگیوں میں اس بات کی تسلی فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے بچے اُن کے بعد انہیں کے دین پر قائم رہیں گے یا نہیں؟ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹوں سے دریافت فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادوں ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے عبادت کریں گے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔

نیز محترم صدر صاحب نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو جو مختلف قسم کی قوتیں اور قابلیتیں اور استعدادیں دی ہیں ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) جسمانی (۲) ذہنی اور (۳) روحانی۔ انسانی شخصیت مکمل نہیں ہو سکتی جب تک وہ ان تینوں جہات میں ترقی نہ کرے۔ اسلئے ہر مجلس خدام الاحمدیہ کو خدام کی جسمانی، ذہنی اور روحانی نشوونما پر نظر رکھنی چاہیئے۔ ایک یہ کہ خدام کی قابلیتیں عدم استعمال کی وجہ سے ضائع نہ ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ ان کا غلط استعمال نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ خدام اپنی قابلیتوں کا صحیح اور مفید رنگ میں استعمال کریں۔

اس کے بعد صدر محترم نے خدام کو حدیث "اَلدُّعَاءُ سَلَاحُ الْمُؤْمِنِ" کی روشنی میں ہر حال میں خدا تعالیٰ سے دُعا مانگنے کی طرف توجہ دلائی۔ نیز شرائط بیعت میں سے شرط سوم

"یہ کہ بلا ناغہ پنج وقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسولؐ کے ادا کرتا رہیگا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ ورد بنالے گا۔"

کی تفسیر میں خدام پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔

اس کے بعد صدر محترم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقتباس کی روشنی میں کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مطالعہ کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ مجلس خدام الاحمدیہ کے لئے وقتاً فوقتاً

جو امتحانات مقرر کرتی رہتی ہے وہ حضور کے اس ارشاد کی تعمیل کی ایک شکل ہے۔

اس کے بعد صدرِ محترم نے خدام کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ وہ جماعت کے عقائد اور جماعت کی مساعی کو غیراز جماعت دوستوں تک پہنچائیں۔ اس غرض کے لئے دینی واقفیت کے دائرہ کو وسیع کریں اور اپنے عقائد کو دوسروں کے سامنے اچھی طرح سے پیش کرنے کی قابلیت اپنے اندر پیدا کریں۔

آخر میں صدرِ محترم نے خدام کو اس طرف توجہ دلائی کہ اپنی تنظیم کو مضبوط کریں۔ اور اس کی مضبوطی کی یہ علامت ہوگی کہ آپ تنظیم کی آواز کو پہچاننے لگیں اور جب بھی آپ کو بُلایا جائے تو دوڑتے چلے آئیں۔ آپ نے اپنی تقریر کو اس بات پر ختم کیا کہ یہ سب باتیں تبھی ممکن ہیں کہ ہم محنت کریں اور مشقت برداشت کریں اور اپنی عملی حالت کو بہتر بنائیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:۔

"اللہ تعالیٰ عمل کو چاہتا ہے
اور عمل ہی سے راضی ہوتا ہے
اور عمل دُکھ سے آتا ہے۔"
(ملفوظات جلد چہارم ص۴۲۹)

عہد اور دُعا کے بعد یہ اجلاس ختم ہُوا۔

قائدین اضلاع علاقہ لاہور اور قائدین مجالس ضلع لاہور کے اجلاسات

۲۸ تبلیغ (فروری) بوقت اڑھائی بجے بعد دوپہر مکرم ملک منور احمد صاحب جاوید قائد ضلع و علاقہ لاہور کے مکان پر لاہور ڈویژن کے قائدین اور مجلس عاملہ ضلع لاہور کے اجلاسات ہوئے۔ قائدین اضلاع علاقہ لاہور کے اجلاس میں مکرم چوہدری عبدالسمیع صاحب قائد ضلع شیخوپورہ، مکرم خواجہ ظفر احمد صاحب قائد مجلس و ضلع سیالکوٹ، مکرم محمد افضل صاحب منیر قائد ضلع گوجرانوالہ اور مکرم محمد سعید صاحب قائد مجلس گوجرانوالہ نے شمولیت فرمائی اور قائدین مجالس ضلع لاہور کے اجلاس میں مجلس عاملہ و نگران حلقہ جات اور قائدین مجالس ضلع لاہور نے شرکت فرمائی۔

محترم صدر صاحب مجلس مرکزیہ نے کام کا جائزہ لیا اور آئندہ سے متعلق بعض ضروری ہدایات دیں +

"خالد" کو ضرورت ہے آپ کے نظم و نثر رشحاتِ قلم کی ——!

(ایڈیٹر)

ا-ح-ل

ماہِ امان (مارچ) کے تاریخی واقعات

★ اس ماہ کا نام امان اسلئے رکھا گیا کہ اسی ماہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جانوں اور مالوں کی حرمت کا اعلان کرتے ہوئے انہیں امان عطا فرمائی۔

★ ۲۶ امان ۱۸۸۲ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ماموریت کا پہلا الہام ہوا۔

★ اسی ماہ ۱۸۸۵ء میں حضرت اقدسؑ نے مجدد وقت ہونے کا دعویٰ فرمایا۔

★ اسی ماہ ۱۸۸۶ء میں ماسٹر مرلیدھر سے ہوشیارپور میں مباحثہ ہوا۔

★ ۲۲ امان ۱۸۸۹ء کو بیعت اولیٰ ہوئی۔

★ امان ۱۸۹۱ء میں سفر لدھیانہ کیا۔

★ امان ۱۹۰۱ء میں جماعت کا نام "جماعت احمدیہ" رکھا۔

★ ۲۰ امان ۱۸۹۴ء کو مشرقی ممالک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق چاند گرہن ہوا اور ۶ شہادت (اپریل) کو سورج گرہن۔

★ ۲ امان ۱۸۹۷ء کو حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی ولادت ہوئی۔

★ ۶ امان ۱۸۹۷ء کو پنڈت لیکھرام پیشگوئی کے مطابق قتل ہوا۔

★ منارۃ المسیح کی بنیاد ۱۳ امان ۱۹۰۳ء کو رکھی گئی۔

ربوہ کی خبریں

★ ۳ تبلیغ (فروری) کو مکرم قریشی مقبول احمد صاحب اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے بیرون ملک تشریف لے گئے۔

★ ۲-۳-۴ تبلیغ کو بارھواں آل پاکستان ناصر باسکٹ بال ٹورنامنٹ منعقد ہوا جس میں ملک کی ۲۳ نامور ٹیموں نے حصہ لیا۔ کلب سیکشن میں برادرز کلب لاہور اور کالج و سکول سیکشن میں تعلیم الاسلام ہائی سکول چیمپین رہے۔

★ ۷ تبلیغ کو مکرم نور محمد صاحب نسیم سیفی نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ارشاد کی تعمیل میں مسجد مبارک میں نماز عید پڑھائی۔

★ ۱۹ تبلیغ بروز جمعۃ المبارک مجلس خدام الاحمدیہ مقامی ربوہ نے وقار عمل کیا جس میں ۹۱۰ خدام نے حصہ لیا۔

★ تعلیم الاسلام ہائی سکول نے ڈسٹرکٹ جھنگ کی ہاکی چیمپین شپ جیت لی۔

★ ۱۸-۱۹-۲۰ تبلیغ کو مجلس خدام الاحمدیہ کے زیر اہتمام پہلا آل ربوہ ٹیبل ٹینس ٹورنامنٹ منعقد ہوا۔

★ ۲۱ تبلیغ کو مکرم منیر احمد صاحب عارف بذریعہ خیبر ایکسپریس اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے بیرون پاکستان تشریف لے گئے۔

★ ۲۱ تبلیغ کو پیشگوئی مصلح موعود کی یاد میں لوکل انجمن احمدیہ نے مسجد مبارک میں جلسہ عام منعقد کیا۔

★ ۲۴ تبلیغ کو مکرم محمد عیسیٰ صاحب بغرض اعلائے کلمہ اسلام بیرون ملک تشریف لے گئے۔

قارئین کے خطوط

جنوری کے شمارے میں ایک مضمون "نئے حسابی کلیات" پڑھا جس میں فاضل مصنف نے حساب کے دو کلیے "دریافت" کئے ہیں اور ریاضی دان حضرات کو اس بارہ میں مزید دعوتِ فکر دی ہے۔ میں کوئی "ریاضی دان" تو نہیں لیکن ریاضی کا طالبعلم ضرور ہوں۔ لہذا عرض کروں گا کہ یہ کلیہ تو پہلے سے ہی ریاضی میں موجود ہے۔ فاضل مصنف نے دس عدد لکھے ہیں۔

۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

ریاضی میں ایسا سلسلہ جس میں کوئی رقم اپنے سے پہلی رقم سے اتنی بڑی یا چھوٹی ہو کہ کوئی سی دو رقموں میں فرق ایک ہی ہو تو اسے ARITHMATIC SERIES کہتے ہیں۔ جیسے اوپر لکھی series میں ہر دو رقموں کا فرق "ا" ہے تو ہمیں series کی کل terms کا مجموعہ معلوم کرنے کا فارمولا یہ ہے۔

$$\text{مجموعہ} = \frac{(\text{پہلی رقم} + \text{آخری رقم})}{۲} \times \text{کل رقموں کی تعداد}$$

مصنف کے دونوں "دریافت شدہ" کلیے اسی فارمولے کی شکلیں ہیں۔ امید ہے ہمارے صدر محترم (جو ہمارے ریاضی کے استاد تھے) نے بھی یہ مضمون پڑھا ہوگا۔

اسی طرح صفحہ ۳۹ پر "ابتدائی طبی امداد" کے نام سے مضمون ہے۔ دوسرے کالم میں دوسری لائن میں "ورید" کی جگہ "شریان" ہونا چاہیئے ــــ اور آٹھویں لائن میں "شریان" کی بجائے "ورید" ہونا چاہیئے۔

ملک مجیب الرحمٰن
تھرڈ مکینکل انجینئرنگ لاہور

خیالِ خاطرِ احباب
عزیز احباب کی خاطر مدارات، ہماری تہذیبی روایات کا
قیمتی سرمایہ ہے۔ مہمان نوازی کی روایات کو برقرار
رکھنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ مہمانوں کی خدمت میں شیزان
پیش کیجئے۔ شیزان تازہ پھلوں کا رس مزیدار بھی ہے
اور صحت بخش بھی!
مالٹا۔ آم۔ سیب۔ انار۔ آلو بخارا اور یموٹیٹا
قدرتی ذائقوں میں دستیاب ہے۔
شیزان
مہمان یا میزبان ــــ سب کی پسند شیزان!
شیزان انٹرنیشنل لمیٹڈ
بند روڈ ــ لاہور
ORIENT